# فہرست


**اس شمارے میں**

| | | |
|---|---|---|
| اس شمارے میں | نعیم احمد | ۴ |

**قرآنیات**

| | | |
|---|---|---|
| البیان: یوسف ۱۲: ۵۴-۱۰۱ (۴) | جاوید احمد غامدی | ۷ |

**معارف نبوی**

| | | |
|---|---|---|
| انصاری خواتین کی بیعت | معز امجد/شاہد رضا | ۲۵ |

**مقامات**

| | | |
|---|---|---|
| قراءت کا اختلاف | جاوید احمد غامدی | ۲۷ |

**سیر و سوانح**

| | | |
|---|---|---|
| حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (۱) | محمد وسیم اختر مفتی | ۳۲ |

**نقطۂ نظر**

| | | |
|---|---|---|
| بعد از موت (۵) | رضوان اللہ | ۳۹ |

**یسئلون**

| | | |
|---|---|---|
| مجتہدین، اجتہاد اور اجماع | امین احسن اصلاحی | ۴۶ |

**ادبیات**

| | | |
|---|---|---|
| غزل | جاوید احمد غامدی | ۴۹ |


www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں حسب روایت جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شائع کیا گیا ہے۔ یہ قسط سورۂ یوسف (۱۲) کی آیات ۵۴-۱۰۱ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام زندگی کے اس دور میں بادشاہ کی پیشکش پر ملک کے ذرائع پیداوار کا اہتمام و انصرام اپنے ذمے لیتے ہیں۔ قحط سے نمٹنے کے لیے پیداوار کو اپنی حسن تدبیر سے محفوظ کرتے ہیں۔ اسی قحط کی وجہ سے ان کے بھائی بھی غلے کے لیے ان کے دربار میں پہنچے۔ یہاں انھیں معلوم ہوا کہ جسے انھوں نے کنوئیں میں پھینک دیا تھا، آپ وہی ہیں۔ اس کے بعد حضرت یوسف اپنے تمام بھائیوں اور ماں باپ کو اپنے پاس بلواتے ہیں۔ دربار میں پہنچ کر سب کا سجدۂ تعظیمی بجالانا، حضرت یوسف کے اس خواب کی تصدیق کرتا ہے جو انھوں نے بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج اسے سجدہ کر رہے ہیں۔

''معارف نبوی'' کے تحت معز امجد صاحب کا مضمون ''انصاری خواتین کی بیعت'' شامل اشاعت ہے۔ اس پر ترجمہ و تدوین کا کام شاہد رضا صاحب نے کیا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ عیدین میں حائضہ اور نوجوان عورتیں شامل ہوں، اور یہ کہ ان پر جمعہ فرض نہیں ہے، اور عورتوں کو جنازہ کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا۔

''مقامات'' میں ''قراءت کا اختلاف'' کے زیر عنوان جناب جاوید احمد غامدی کا ایک شذرہ شامل ہے۔ اس میں انھوں نے قرآن کریم کی قراءتوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ قرآن کی قراءت صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور دنیا میں مسلمانوں کی اکثریت اسی طریقے پر اس کی تلاوت کر رہی ہے۔

''سیر و سوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون کے پہلے حصے میں جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی بیان ہوئے ہیں جن میں کفار کی طرف سے ان کے مظالم سہنے، ان کے ایمان لانے اور مدینہ میں ان کے ہاتھوں مسجد قبا کی تعمیر کا ذکر ہے۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت رضوان اللہ صاحب نے اپنے مضمون ''بعد از موت'' کے پانچویں حصے میں یوم حشر کے

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

حوالے سے قیامت کے بارے میں بیان کیا ہے کہ قرآن کی رو سے زندگی اور موت کے بعد برزخ میں چلے جانے کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری نہیں رہے گا۔ زندگی اور موت کا یہ سفر ایک دن اپنے انجام کو پہنچے گا۔ حتیٰ کہ ساری دنیا اور اس کا تمام نظام ختم ہو کر رہ جائے گا۔ کائنات کی اس تبدیلی کو دینی اعتبار سے قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

''یسئلون'' میں مولانا اصلاحی صاحب سے پوچھا گیا یہ سوال نقل کیا گیا ہے کہ کیا اجتہاد کا عمل آج بھی اہمیت رکھتا ہے؟ دوسرے اجتہاد اور اجماع کا کیا جانا اب بھی قرآن کے ماہرین اور فقہا ہی کے لیے مخصوص ہے؟

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان
جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سورۃ یوسف

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَ قَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِیۡ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِيۡظٌ عَلِيۡمٌ ﴿۵۵﴾

بادشاہ نے کہا: اُس کو میرے پاس لاؤ، میں اُسے اپنے لیے خاص رکھوں گا[۵۴]۔ پھر جب اُس سے بات چیت کی تو (اِس قدر متاثر ہوا کہ) اُس نے کہا: اب تم ہمارے ہاں صاحب اقتدار ہوا اور تم پر بھروسا کیا جائے گا[۵۵]۔ یوسف نے کہا: اِس ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجیے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں[۵۶]۔ ۵۴-۵۵

۵۴؎ اِس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ بادشاہ کے خواب کی نہایت دل نشیں تعبیر اور اُس کے ساتھ جس ہول ناک قحط کے ظہور کی خبر خواب میں دی گئی تھی، اُس کے مقابلے کی تدبیر، الزامات کی تحقیق کے بغیر رہائی کی پیش کش قبول کرنے سے انکار اور اِس کے نتیجے میں عزیز کی بیوی اور دوسری عورتوں کا اعتراف حق، استاذ امام کے الفاظ میں، اِن تینوں میں سے کوئی ایک بات بھی بادشاہ کو حضرت یوسف کا گرویدہ بنانے کے لیے کافی ہوسکتی تھی، لیکن جس شخص کے باب میں یہ تینوں باتیں اکٹھی بادشاہ کے علم میں آئیں، آخر وہ اُس کا نادیدہ عاشق نہ ہو جاتا تو اور کیا کرتا۔ چنانچہ اُس نے

اعلان کر دیا کہ میں یوسف کو اپنا معتمد خاص بنا رہا ہوں۔

۷۵۔ یہ بادشاہ کی طرف سے نظم حکومت میں بڑے سے بڑے منصب کی پیش کش ہے جو اُس نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے نتیجے میں آپ کے علم، آپ کی لیاقت اور صلاحیت و استعداد کو دیکھ کر کی ہے، لیکن آپ اِس پیش کش کو کس صورت میں قبول فرماتے ہیں، اِسے آپ کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

۷۶۔ یوسف علیہ السلام جس قحط کی پیشین گوئی کر چکے تھے، اِس وقت سب سے بڑی مہم اُسی میں ملک کو سنبھالنے کی تھی۔ بادشاہ کی سب سے بڑی خواہش بھی اِس صورت حال میں یہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے اِسی کے مطابق اپنی راے بادشاہ کے سامنے رکھ دی۔ یہ کم و بیش اُسی اختیار و اقتدار کا مطالبہ ہے جو پارلیمانی نظام حکومت میں کسی ملک کے وزیر اعظم کو حاصل ہوتا ہے۔ بائیبل میں ہے:

> ''اور فرعون نے یوسف سے کہا: چونکہ خدا نے تجھے یہ سب کچھ سمجھا دیا ہے، اِس لیے تیری مانند دانش ور اور عقل مند کوئی نہیں۔ سو تو میرے گھر کا مختار ہو گا اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی۔ فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا۔ اور فرعون نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم بناتا ہوں۔ اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی اور اُسے باریک کتان کے لباس میں آراستہ کروا کر سونے کا طوق اُس کے گلے میں پہنایا۔ اور اُس نے اُسے اپنے دوسرے رتھ میں سوار کرا کر اُس کے آگے آگے یہ منادی کروا دی کہ گھٹنے ٹیکو اور اُس نے اُسے سارے ملک مصر کا حاکم بنا دیا اور فرعون نے یوسف سے کہا: میں فرعون ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اِس سارے ملک مصر میں اپنا ہاتھ پاؤں ہلانے نہ پائے گا۔''
>
> (پیدایش ۴۱: ۳۹-۴۴)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یوسف علیہ السلام کے ہم عصر اِس بادشاہ کے لیے لفظ 'فرعون' کا استعمال بائیبل کے مرتبین کی غلطی ہے۔ یہ بادشاہ مصری حکمرانوں کے پندرھویں خاندان سے تھا جو تاریخ میں چرواہے بادشاہوں (Hyksos Kings) کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ لوگ عربی النسل تھے اور شام و فلسطین سے مصر جا کر ۲ ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں مصر کی حکومت پر قابض ہو گئے تھے۔ عرب مورخین اِنھیں عمالیق کہتے ہیں۔ دور حاضر کے محققین کی عام راے ہے کہ چرواہے بادشاہوں میں سے جس حکمران کا نام مصری تاریخ میں اپوفیس (Apophis) ملتا ہے، وہی حضرت یوسف کا ہم عصر تھا۔ فرعون مصر کی مذہبی اصطلاح تھی اور یہ لوگ مصری مذہب کو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ یہ نام اُن قبطی النسل بادشاہوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اِن کی حکومت ختم کر کے اِن کے بعد پندرھویں صدی قبل مسیح کے اواخر میں کسی وقت برسر اقتدار آئے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا
مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا
جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِىْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّىْٓ اُوْفِى الْكَيْلَ

یوسف کو اِس طرح ہم نے اُس ملک میں اقتدار عطا فرمایا، وہ اُس میں جہاں چاہے، اپنی جگہ بنائے[77]۔ ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں، نوازتے ہیں اور خوبی اختیار کرنے والوں کا اجر ہم کبھی ضائع نہیں کرتے[78]۔ آخرت کا اجر، البتہ اُن لوگوں کے لیے اِس سے کہیں بڑھ کر ہے جو ایمان لائے اور (خدا سے) برابر ڈرتے رہے۔ ۵۶-۵۷

(اِس کے کئی برس بعد) یوسف کے بھائی مصر آئے[79] اور اُس کے ہاں بھی حاضر ہوئے[80] تو اُس نے اُنھیں پہچان لیا، مگر اُنھوں نے یوسف کو نہیں پہچانا[81]۔ (پھر اُن کی واپسی کے وقت)، جب اُس نے اُن کا سامان تیار کرایا تو اُن سے کہا: (اب آؤ گے تو) اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا، دیکھتے

۷۷؎ یعنی جہاں چاہے، فروکش ہو، جس حصۂ ملک کا چاہے دورہ کرے، مصر اُس کا ہے، اُس میں جو نظم و نسق جس جگہ اور جس کے لیے ضروری سمجھے، اُس کا حکم جاری کر دے۔ یہ اُس ہمہ گیر اقتدار و اختیار کا بیان ہے جو بادشاہ کے فرمان سے یوسف علیہ السلام کو اُس ملک میں حاصل ہو گیا۔

۷۸؎ مطلب یہ ہے کہ اُن کی خوبی عمل کا اجر اُن کو دنیا میں بھی کسی نہ کسی صورت میں لازماً دیتے ہیں۔

۷۹؎ آگے کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی غلہ خریدنے کی غرض سے مصر آئے تھے۔ حضرت یوسف نے جس قحط کی پیشین گوئی کی تھی، وہ شروع ہو چکا تھا اور اُس نے مصر اور اُس کے ملحقہ ممالک شام و فلسطین وغیرہ، سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تاہم یوسف علیہ السلام کی پیش بندی اور حسن انتظام کی وجہ سے مصر نہ صرف یہ کہ اپنے جمع شدہ غلے سے اپنی ضروریات پوری کر رہا تھا، بلکہ پاس پڑوس کے ملکوں سے دوسرے ضرورت مندوں کو بھی اجازت دی گئی تھی کہ وہ اگر چاہیں تو وہاں آ کر ایک معین مقدار میں غلہ خرید سکتے ہیں۔

وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

---

نہیں ہو کہ میں غلہ بھی پورے پیمانے سے دیتا ہوں اور بہت اچھی میز بانی کرنے والا بھی ہوں۔ لیکن اگر تم اُس کو میرے پاس نہیں لاؤ گے تو نہ میرے پاس تمھارے لیے غلہ ہے اور نہ تم میرے قریب پھٹکنا۔[۸۲] اُنھوں نے کہا: ہم اُس کے بارے میں اُس کے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم یہ ضرور کریں گے۔[۸۳] ۵۸-۶۱

---

۸۰؎ یوسف علیہ السلام کے بھائی چونکہ بیرونی تھے، اِس لیے غلہ خریدنے کے لیے اُنھیں خاص اجازت نامہ حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ یہ حاضری غالباً اِسی مقصد سے ہوئی۔

۸۱؎ یہ نہ پہچاننا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ جس وقت اُنھوں نے آپ کو کنویں میں پھینکا تھا، اُس وقت آپ صرف ۱۷ سال کے تھے اور اب آپ کی عمر ۳۸ سال ہو چکی تھی۔ یہ کم و بیش ۲۰ سال کا عرصہ ہے۔ اتنی مدت آدمی کو بہت کچھ بدل دیتی ہے۔ آگے آیت ۹۰ سے اشارہ نکلتا ہے کہ آپ کی شکل و صورت میں اُنھیں اپنے بھائی کی جھلک ضرور نظر آئی، مگر جلد ہی اِس خیال کو اُنھوں نے اپنے دل سے نکال دیا، اِس لیے کہ وہ یہ گمان کسی طرح نہیں کر سکتے تھے کہ جس شخص کو اُنھوں نے اندھے کنویں میں ڈال دیا تھا، وہ آج مصر کے تخت حکومت پر متمکن ہے۔

۸۲؎ غلے کی ضابطہ بندی کی جائے تو بالعموم یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر ضرورت مند کو اُس کے افراد خاندان کے حساب سے غلہ دیا جائے۔ اِن لوگوں نے اپنے بھائی بن یمین کے نام پر بھی غلہ حاصل کیا ہوگا۔ اِس سے حضرت یوسف کو موقع مل گیا کہ وہ اصرار کریں کہ اِس وقت تو میں نے تمھاری بات مان لی ہے کہ پیچھے تمھارا ایک بھائی اور بھی ہے، لیکن آیندہ اُس کو لے کر آنا ہوگا۔ نہیں لاؤ گے تو تمھیں جھوٹا سمجھا جائے گا، لہٰذا اِس کے بعد تم میرے قریب بھی پھٹکنے کی کوشش نہ کرنا۔

۸۳؎ یعنی اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ اِس فقرے میں اُن کے دل کا چور نمایاں ہے کہ نہ لا سکے تو اِس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ باپ نے اجازت نہیں دی۔ اِس لیے کہ جو کچھ وہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ کر چکے تھے، اُس کے بعد اِس کا پورا امکان تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَقَالَ لِفِتْیٰنِہِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَھُمْ فِیْ رِحَالِھِمْ لَعَلَّھُمْ یَعْرِفُوْنَھَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَھْلِھِمْ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْھِمْ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْکَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَکْتَلْ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ ھَلْ اٰمَنُکُمْ عَلَیْہِ اِلَّا کَمَآ اَمِنْتُکُمْ عَلٰٓی اَخِیْہِ مِنْ قَبْلُ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۶۴﴾

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَھُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَھُمْ رُدَّتْ اِلَیْھِمْ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ھٰذِہٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا وَنَمِیْرُ اَھْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ کَیْلَ بَعِیْرٍ ذٰلِکَ

---

یوسف نے اپنے خدام سے کہا کہ اِن لوگوں نے غلے کے عوض جو مال دیا ہے، وہ (چپکے سے) اِن کے کجاووں ہی میں رکھ دو۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ جب وہ اپنے اہل وعیال میں پہنچیں تو اِسے پہچان لیں (کہ اُنھی کا مال ہے جو اُنھیں واپس کر دیا گیا ہے) تاکہ وہ پھر آئیں۔[۸۴] سو جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹے تو کہا: ابا جان، (آیندہ) ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے، لہٰذا ہمارے بھائی (بن یمین) کو بھی ہمارے ساتھ جانے دیجیے کہ ہم (اپنی سچائی ثابت کر سکیں اور) غلہ لائیں، ہم اُس کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں۔ باپ نے جواب دیا: کیا میں اُس کے معاملے میں بھی تم پر ویسا ہی بھروسا کروں، جیسا اِس سے پہلے اُس کے بھائی کے معاملے میں تم پر بھروسا کر چکا ہوں؟ سو اللہ بہترین محافظ ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔[۸۵] ۶۲-۶۴

(اِس کے بعد) جب اُنھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کی پونجی بھی اُنھیں لوٹا دی گئی ہے۔ (یہ دیکھ کر) وہ پکار اُٹھے: ابا جان، ہمیں اور کیا چاہیے! (دیکھیے)، یہ ہماری پونجی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔ اب ہم جائیں گے، اپنے اہل وعیال کے لیے رسد لائیں گے،[۸۶] اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، ایک

---

۸۴؎ یہ اِس لیے فرمایا کہ مال کی کمی اُن کے دوبارہ آنے میں رکاوٹ نہ بن جائے۔

۸۵؎ مدعا یہ ہے کہ تمھارے بھروسے کا تجربہ تو اِس سے پہلے کر چکا ہوں، لہٰذا بھیجنا پڑا تو خدا ہی کے بھروسے پر بھیجوں گا، تمھارے بھروسے پر نہیں بھیجوں گا۔

كَيُلٌ يَّسِيُرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنُ اُرُسِلَهٗ مَعَكُمُ حَتّٰى تُؤُتُوُنِ مَوُثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِىُ
بِهٖٓ اِلَّآ اَنُ يُّحَاطَ بِكُمُ فَلَمَّآ اٰتَوُهُ مَوُثِقَهُمُ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوُلُ وَكِيُلٌ ﴿٦٦﴾
وَقَالَ يٰبَنِىَّ لَا تَدُخُلُوُا مِنُۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادُخُلُوُا مِنُ اَبُوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَآ
اُغُنِىُ عَنُكُمُ مِّنَ اللّٰهِ مِنُ شَىُءٍ اِنِ الُحُكُمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيُهِ تَوَكَّلُتُ وَعَلَيُهِ فَلُيَتَوَكَّلِ

---

بارشتر غلہ زیادہ حاصل کریں گے[۸۷]، یہ غلہ (جو اِس وقت ہم لائے ہیں، یہ) تھوڑا ہے[۸۸]۔ باپ نے جواب دیا: میں اُس کو ہرگز تمھارے ساتھ نہ بھیجوں گا، جب تک تم خدا کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو کہ تم اُس کو ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے، الّا یہ کہ تم کہیں گھر جاؤ۔ سو (اُس کے اصرار پر) جب اُنھوں نے اُس کو اپنا پکا قول دے دیا تو اُس نے کہا: یہ قول و قرار جو ہم کر رہے ہیں، اِس پر اللہ نگہبان ہے۔ ۶۵-۶۶

(پھر روانہ ہونے لگے تو) اُس نے اُن کو ہدایت کی کہ میرے بیٹو، تم سب ایک ہی دروازے سے (مصر کے دارالسلطنت میں) داخل نہ ہونا، بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا[۸۹]۔ (یہ محض ایک تدبیر ہے، ورنہ) حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ کے مقابل میں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔ تمام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

---

۸۶؎ اصل الفاظ ہیں: 'وَنَمِيُرُ اَهُلَنَا'۔ اِن کا معطوف علیہ وضاحت قرینہ کی بنا پر محذوف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔

۸۷؎ اِس سے معلوم ہوا کہ غلے کی ضابطہ بندی اِس طرح کی گئی تھی کہ اُس میں بیرونی ضرورت مند ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ حاصل کر سکتے تھے۔

۸۸؎ اِن جملوں کی بلاغت دیکھیے، قرآن نے اُن کی بات اِس طرح نقل کی ہے کہ استاذ امام کے الفاظ میں اُن کی خوشی اُن کے فقرے فقرے سے ابلی پڑ رہی ہے۔

۸۹؎ یہ اِس لیے فرمایا کہ ایک ہی وقت میں گیارہ قبائلی جوان جب ایک جتھے کی صورت میں شہر میں داخل ہوں گے تو ہو سکتا ہے کہ اُنھیں مشتبہ سمجھا جائے اور شہر کے لوگ یہ گمان کریں کہ اِس قحط کے زمانے میں یہ لوٹ مار کی غرض سے یہاں آئے ہیں۔

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾
وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ

---

اختیار تو اللہ ہی کا ہے۔ میں نے اُسی پر بھروسا کیا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو اُسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ (چنانچہ) جس وقت وہ (شہر میں) داخل ہوئے، جہاں سے اُن کے باپ نے اُن کو ہدایت کی تھی تو (واقعہ بھی یہی تھا کہ) وہ اللہ کے مقابل میں اُن کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا تھا، مگر یعقوب کے دل میں بس ایک خیال تھا جو اُس نے پورا کر لیا۔[90] وہ بے شک اُس علم سے بہرہ مند تھا جو ہم نے اُسے سکھایا تھا، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔[91] ۶۷-۶۸

یہ لوگ جب یوسف کے حضور پہنچے تو اُس نے اپنے بھائی کو خاص اپنے پاس جگہ دی۔ (پھر تنہائی کے کسی وقت میں) اُس نے اُسے بتایا کہ میں تمھارا بھائی، (یوسف) ہوں۔ سو جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں، اب اُس کا غم نہ کرو۔[92] پھر (اُن کی واپسی کے وقت)، جب اُن کا سامان تیار کرایا تو اپنا پیالہ (ازراہ محبت) اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا۔[93] اِس کے بعد (خدا کی قدرت سے ایسا ہوا کہ

---

۹۰؎ یہ تدبیر اور تقدیر کے باہمی تعلق کو واضح کر دیا ہے کہ تقدیر بہرحال اٹل ہے، کوئی تدبیر بھی اُس کو بدل نہیں سکتی۔ انسان صرف یہ کر سکتا ہے کہ حالات و مصالح کے لحاظ سے جو خیال اُس کے دل میں آئے، اُسے پورا کر لے۔ اِس سے زیادہ کوئی چیز اُس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اپنی ہر تدبیر کے بارے میں بندۂ مومن کو یہی حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے۔

۹۱؎ یعنی اُس علم سے بہرہ مند تھا جو انسان کو بتاتا ہے کہ خدا کی مشیت ہر چیز پر حاوی ہے، لیکن اِس کے باوجود انسان کا فرض ہے کہ وہ ضروری تدبیر کرے، اِس لیے کہ خدا کی تقدیر بعض اوقات اُسی تدبیر سے وابستہ ہوتی ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾
قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا
تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا
جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ
كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

---

عین اُسی وقت) ایک پکارنے والے نے پکارا کہ قافلے والو، تم یقیناً چور ہو۔ اُنھوں نے اُن کی طرف پلٹ کر پوچھا: تمھاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا: ہم بادشاہ کا پیمانہ نہیں پا رہے ہیں۔ (اُن کے جمعدار نے کہا): اور جو اُس کو لائے گا، اُس کے لیے ایک بار شتر غلہ ہے، میں اِس کا ذمہ لیتا ہوں۔ یوسف کے بھائیوں نے کہا: خدا کی قسم، تمھیں معلوم ہے کہ ہم اِس لیے نہیں آئے کہ اِس ملک میں فساد کریں اور ہم چوری کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ اُنھوں نے کہا: اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو چور کی کیا سزا ہے؟ اُنھوں نے کہا: اُس کی سزا؟ جس کے سامان سے کھوئی ہوئی چیز نکلے، وہ آپ ہی اپنی سزا میں رکھ لیا جائے۔[۹۴] اِس طرح کے ظالموں کو ہم یہی سزا دیا کرتے ہیں۔[۹۵] اِس پر اُس شخص نے یوسف کے بھائی کی خرجی سے پہلے اُن کی خرجیوں کی تلاشی لینا شروع کی، پھر (بادشاہ کا پیمانہ تو نہیں ملا،[۹۶]

---

۹۲؎ مطلب یہ ہے کہ تمھارے آزردہ خاطر رہنے کے دن ختم ہوئے۔ خدا کی مدد شامل حال رہی تو اب راحت ہی راحت ہے، اِس لیے غم نہ کرو۔ یہ اب تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

۹۳؎ یوسف علیہ السلام نے جس طرح پچھلی ملاقات کے موقع پر اپنے بھائیوں کا دیا ہوا مال اُن کے کجاووں میں رکھوا دیا تھا، اُسی طرح یہ پیالہ بھی بن یمین کو کچھ بتائے بغیر اُس کے سامان میں رکھ دیا تاکہ واپس جا کر اپنا سامان کھولے تو اُن کا یہ تحفہ پا کر خود بھی مسرور ہو اور بھائی کے اختیار و اقتدار کی یہ نشانی اپنے باپ کو بھی دکھائے۔

۹۴؎ یعنی غلام بنا کر روک لیا جائے۔

۹۵؎ یہ اُن کے علاقے کا کوئی رواج بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ اِسے دین ابراہیمی کا حکم سمجھا جائے۔

مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ﴿۷۶﴾

---

لیکن ) اُس کے بھائی کی خرجی سے اُس نے وہ ( پیالہ ) برآمد کرلیا ( جو یوسف نے رکھا تھا )۔ہم نے اِس طرح یوسف کے لیے ( اُس کے بھائی کے روکنے کی ) تدبیر کی، ( اِس لیے کہ ) بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو روکنے کا مجاز نہ تھا،[۹۷] الّا یہ کہ خدا ہی چاہے۔[۹۸] ہم جس کے درجے چاہتے ہیں، بلند کردیتے ہیں[۹۹] اور ( حقیقت یہ ہے کہ ) ایک علم والا ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔[۱۰۰] ۶۹-۷۶

---

ابراہیم علیہ السلام کو کسی خطۂ ارض میں کبھی سیاسی اقتدار حاصل نہیں ہوا، اِس لیے یہ ماننا قرین قیاس نہیں ہے کہ اُنھیں جو شریعت دی گئی تھی، اُس میں جرم وسزا سے متعلق بھی احکام موجود تھے۔

۹۶؎ اِس کی دلیل یہ ہے کہ بن یمین کے سامان میں 'السِّقَایَة' ( پیالہ ) رکھا گیا تھا جس کے لیے مونث کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ اِس کے برخلاف شاہی کارندے 'صُوَاعَ الْمَلِكِ' ( بادشاہ کا پیمانہ ) تلاش کررہے تھے۔ چنانچہ آیت میں دیکھ لیجیے، اِس کے لیے مذکر اور جو چیز برآمد کی گئی ہے، اُس کے لیے مونث کی ضمیر آئی ہے۔

۹۷؎ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بن یمین کو پا جانے کے بعد اب یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھے کہ اُس کو واپسی کے سفر میں بھی اُنھی ظالموں کے حوالے کردیں جو اُس کے ساتھ کچھ بھی کرسکتے تھے۔ اِس کے لیے ضروری تھا کہ اُسے ساتھ جانے سے روکا جائے۔ اِس مرحلے میں وہ اپنے آپ کو ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اور ملکی قانون کی رو سے بھائی کو بغیر کسی وجہ کے روک لینا بھی ممکن نہیں تھا، اِس لیے کہ تمام اختیارات کے باوجود اُن کے شایان شان یہی تھا کہ جو قدم بھی اٹھائیں، قانون کے مطابق اٹھائیں۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ اِس موقع پر خدا نے مدد فرمائی اور عین اُسی وقت جب وہ اپنا پیالہ بن یمین کے سامان میں رکھ چکے تھے اور اُن کے بھائی رخصت ہونے کو تھے، بادشاہ کا پیمانہ کہیں اِدھر اُدھر ہوگیا اور تلاش کے باوجود نہیں ملا۔ اِس پر دربار کے کارندوں کا شبہ اُنھی بھائیوں کی طرف گیا جو وہاں سے جانے کے لیے نکل رہے تھے اور اِس طرح وہ صورت پیدا ہوگئی جس کے نتیجے میں یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یمین کو اُن کے پاس چھوڑ دینے کے لیے مجبور ہوگئے۔ یہ خدائی تدبیر تھی جو بالکل اُسی طرح سامنے آئی، جس طرح اِس نوعیت کے غیر معمولی اتفاقات کبھی کبھی ہمارے مشاہدے میں بھی آجاتے ہیں اور ہم اُن کی کوئی توجیہ نہیں کرپاتے۔ حضرت یوسف اور اُن کے بھائی نے اِس موقع پر اِس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ جو کچھ ہوتا رہا، اُسے خاموشی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ

بھائیوں نے (یہ دیکھا تو) کہا: اگر یہ چوری کرے تو (کچھ تعجب کی بات نہیں ہے)، اِس سے پہلے اِس کا ایک بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔[۱۰۱] (یہ سراسر تہمت تھی)، مگر یوسف نے اِس کو اپنے دل ہی میں رکھا، اُن پر اِسے ظاہر نہیں کیا، بس اپنے جی میں اتنی بات کہہ کر رہ گیا کہ تم لوگ بڑے ہی برے ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو، اللہ اُس کو خوب جانتا ہے۔ اُنھوں نے کہا: اے عزیز، اِس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے، سو اِس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس

سے دیکھتے رہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ بن یمین پر اِس کے نتیجے میں وقتی طور پر ایک الزام کا دھبا لگا، لیکن اُسے معلوم تھا کہ اِسے بہت جلد دھل جانا ہے۔ لہٰذا وہ بھی مطمئن رہا اور کسی اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔

۹۸؎ اور اپنی قدرت سے کوئی ایسی صورت پیدا کر دے کہ قانون کی خلاف ورزی بھی نہ ہو اور بن یمین کو روک بھی لیا جائے۔

۹۹؎ یوسف علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کو ایسے مقام بلند پر پہنچا دیتے ہیں کہ کائنات کا پروردگار اُس کے لیے تدبیریں فرماتا ہے۔

۱۰۰؎ یعنی خداے لایزال جس کا علم ہی علم حقیقی ہے۔ چنانچہ وہی جانتا ہے کہ کیا چیز پردۂ غیب سے کس وقت اور کس صورت میں نمودار ہو جائے گی اور جو کچھ بظاہر ناممکن نظر آ رہا ہے، اُسے ممکن بنا دے گی۔

۱۰۱؎ یہ اُنھوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا۔ پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم چور نہیں ہیں۔ اب جو دیکھا کہ بھائی کی خرجی سے مال برآمد ہو گیا ہے تو فوراً ایک جھوٹی بات بنا کر اپنے آپ کو بھائی سے الگ کر لیا اور دوسرے بھائی کو بھی اُسی الزام میں لپیٹ لیا۔ اِس سے، ظاہر ہے کہ یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں ہے، بلکہ سوتیلا بھائی ہے اور چوری کی خصلت اپنی ماں کی طرف سے لایا ہے۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوسف اور اُن کے بھائی بن یمین کے لیے اُن کے دلوں میں کس قدر بغض اور کینہ چھپا ہوا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا
اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ
مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ
لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا
يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾

---

انسان ہیں۔ یوسف نے کہا: خدا کی پناہ کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے[102]، ہم اُس کے سوا کسی اور کو پکڑیں۔ اِس صورت میں تو ہم نہایت ظالم ٹھیریں گے۔ اُس کا یہ جواب سن کر جب وہ اُس سے مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورے کی غرض سے الگ بیٹھ گئے۔ اُن کے بڑے[103] نے کہا: کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمھارے باپ نے خدا کے نام پر تم سے پکا قول و قرار لیا ہے اور اِس سے پہلے یوسف کے معاملے میں جو تقصیر تم سے ہو چکی ہے، اُسے بھی جانتے ہو؟ لہٰذا میں تو اِس سرزمین سے ٹلنے کا نہیں، جب تک میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے[104]۔ تم اپنے باپ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ ابا جان، آپ کے بیٹے نے چوری کی

---

۱۰۲؎ یوسف علیہ السلام کی احتیاط ملحوظ رہے کہ جب اُنھیں مجبوراً بولنا پڑا تو اُنھوں نے یہ نہیں کہا کہ جس نے ہماری چیز چرائی ہے، بلکہ صرف یہ فرمایا کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے۔ یہ اُس توریے کی نہایت عمدہ مثال ہے جس پر اخلاقی لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰۳؎ آیت میں اِس کے لیے 'أکبرھم' کا نہیں، بلکہ 'کَبِیْرُھُمْ' کا لفظ آیا ہے۔ عربیت کی رو سے یہ علم و دانش اور عقل و رائے میں بڑے کے لیے بھی آ سکتا ہے۔ لہٰذا اِس سے اگر یہوذا کو مراد لیا جائے تو زیادہ اقرب ہو گا۔ بائیبل میں صراحت ہے کہ یہ مشورہ اُسی نے دیا تھا۔

۱۰۴؎ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھائی دوسروں سے مختلف تھا۔ یوسف کو قتل نہ کرنے کا مشورہ بھی غالباً اِسی نے دیا تھا۔ چنانچہ اُس کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ ایک کے بعد اب وہ دوسرے بھائی کو بھی کھونے کا مجرم بن کر باپ کے سامنے حاضر ہو۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ
سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾
وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ

---

ہے اور ہم نے وہی بات کہی ہے جو ہمارے علم میں آئی ہے، ہم غیب کے نگہبان نہیں ہیں۔ آپ اُس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجیے، جہاں ہم رہے ہیں اور اُس قافلے سے پوچھ لیجیے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں، ہم بالکل سچے ہیں۔ اُن کے باپ نے (یہ داستان سنی تو) کہا: (نہیں)، بلکہ تمھارے دل نے تمھارے لیے ایک بات بنالی ہے[۱۰۵]، اِس لیے صبر جمیل ہی بہتر ہے۔ امید ہے کہ اللہ اِن سب کو میرے پاس لے آئے گا[۱۰۶]۔ یقیناً وہی علیم و حکیم ہے۔ ۷۷-۸۳

اُس نے (یہ کہہ کر) اُن سے منہ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسف[۱۰۷]، اور غم سے اُس کی آنکھیں سفید پڑ گئی

---

۱۰۵؎ یعنی یہ بات کہ بن یمین نے فی الواقع چوری کی ہے، دراں حالیکہ یہ لوگ وہاں بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم اپنے بھائی کو جانتے ہیں، وہ کبھی چوری نہیں کر سکتا۔ یہ پیالہ شاید کسی اور نے رکھ دیا ہو یا کسی غلطی سے وہ اُس کے اسباب میں بندھ گیا ہو۔ پھر باپ کے پاس آ کر بھی اُنھوں نے یہ نہیں کہا کہ بن یمین پر چوری کا الزام لگا دیا گیا ہے، بلکہ پورے یقین کے ساتھ کہہ دیا کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔

۱۰۶؎ یوسف علیہ السلام نے جو خواب ابتدائی زمانے میں دیکھا تھا، حضرت یعقوب اُسے خدائی بشارت سمجھتے تھے، لہٰذا اُنھیں یقین تھا کہ یوسف زندہ ہے، وہ اُسے ملیں گے اور اُس کا خواب پورا ہو کر رہے گا۔ یہ اُسی یقین کا اظہار ہے۔

۱۰۷؎ اِس وقت اگرچہ بن یمین کا معاملہ تھا، مگر یعقوب علیہ السلام نے یوسف ہی کو یاد کیا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ بات کچھ عجیب نہیں کہ اِس تازہ حادثے نے بھی حضرت یعقوب کے دل میں حضرت یوسف ہی کے غم کو ہرا کیا۔ اول تو بن یمین کے حادثے کی نوعیت وہ نہیں تھی جو حضرت یوسف کے حادثے کی تھی، ثانیاً حضرت یعقوب کو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ
مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾

---

تھیں[۱۰۸] اور وہ گھٹا جا رہا تھا۔ بیٹوں نے کہا: خدا کی قسم، آپ یوسف ہی کو یاد کیے جائیں گے، یہاں تک کہ اپنے آپ کو گھلا دیں گے یا ہلاک ہو جائیں گے۔[۱۰۹] اُس نے کہا: میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں[۱۱۰] اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میرے بیٹو، جاؤ یوسف اور اُس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔[۱۱۱] اللہ کی رحمت سے تو صرف منکرین ہی مایوس ہوتے ہیں۔ ۸۴-۸۷

---

حضرت یوسف سے جو دل بستگی تھی، وہ صرف بیٹے ہونے کے سبب سے نہیں تھی، بلکہ اُس میں اصلی دخل اُن کی اُن اعلیٰ صلاحیتوں کو تھا جن کی بنا پر حضرت یعقوب اُن سے اِس درجہ محبت کرتے تھے کہ وہ اپنے تمام بھائیوں کے محسود بن گئے اور بالآخر اُسی کے نتیجے میں بھائیوں کے ہاتھوں اُنھیں نہایت زہرہ گداز آزمایشوں سے گزرنا پڑا۔''

(تدبر قرآن ۴/۲۴۸)

۱۰۸؎ عام مشاہدہ ہے کہ غم و الم کی شدت اور بہت روتے رہنے سے پتلیوں اور پلکوں کی سیاہی متاثر ہو جاتی ہے اور آنکھوں کے سرخ ڈورے بھی آہستہ آہستہ غائب ہو جاتے ہیں، یہ اُسی حالت کا بیان ہے۔

۱۰۹؎ یہ بظاہر ہمدردی کا جملہ ہے، مگر غور کیجیے تو اِس میں بھی وہی جذبۂ حسد کارفرما ہے جو اُن کے تمام اقدامات کا باعث ہوا۔ اُن کا خیال تھا کہ یوسف کو ٹھکانے لگا کر وہ باپ کی تمام توجہ حاصل کر لیں گے، لیکن اُنھوں نے دیکھا کہ اِس کے نتیجے میں جو کچھ اُنھیں حاصل تھا، وہ بھی اُن سے چھن گیا ہے اور باپ کا اِس کے سوا کوئی کام ہی نہیں رہ گیا کہ جب تنہا ہوں، یوسف کی یاد میں نالہ و فریاد کرتے رہیں۔

۱۱۰؎ یہی ایک بندۂ مومن کے شایان شان ہے۔ وہ اپنے غم و الم کا اظہار اپنے رب ہی سے کرتا ہے، اِس لیے کہ اُس کی تمام امیدیں اُسی سے وابستہ ہوتی ہیں اور وہ جانتا ہے کہ اُس کا یہ گریہ اور یہ زاری بالآخر اُس کی رحمت کو جوش

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ
فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ
عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ
يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ
اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا

پھر جب وہ (اگلی مرتبہ) یوسف کی پیشی میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے (گڑگڑا کر) عرض کیا: اے عزیز، ہم اور ہمارے اہل و عیال بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہم کچھ حقیر سی پونجی لے کر حاضر ہو گئے ہیں[112]، سو (عنایت فرمایئے اور) ہمیں پورا غلہ دیجیے اور ہم پر خیرات بھی کیجیے، اِس لیے کہ اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے[113]۔ (یہ سن کر یوسف سے رہا نہ گیا)، اُس نے کہا: تمھیں کچھ پتا ہے کہ جب تم جہالت میں مبتلا تھے تو یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ تم کیا کر گزرے؟ وہ (چونک کر) بولے: کیا سچ مچ تمھی یوسف ہو؟ اُس نے کہا: ہاں، میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر عنایت فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو خدا سے ڈرتے اور ثابت قدم رہتے ہیں، (اُن کا اجر اُنھیں لازماً ملتا ہے)، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا جو خوبی سے عمل کرنے والے ہیں[114]۔ اُنھوں نے کہا: بخدا، اللہ نے تم کو ہمارے اوپر برتری عطا فرمائی ہے اور اِس میں شبہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں لے آئے گی۔

۱۱۱ اِس سے واضح ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو جس طرح حضرت یوسف کے معاملے میں اُن کے بیان کا یقین نہیں ہوا تھا، اُسی طرح بن یمین کے معاملے میں بھی نہیں ہوا۔

۱۱۲ اصل الفاظ ہیں: 'بِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ'۔ یعنی ایسی حقیر پونجی جس کو کوئی قبول نہ کرے۔ اِس سے خیال ہوتا ہے کہ نقد کے بجاے وہ کوئی ایسی جنس لے کر گئے تھے جس کی وہاں کوئی خاص مانگ نہیں تھی۔

۱۱۳ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ضرورت کس شان اور طنطنے کے لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

---

نہیں کہ ہم ہی قصوروار تھے۔ یوسف نے کہا: اب تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمھیں معاف کرے، وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ (جاؤ)، میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اِس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، اُن کی بینائی لوٹ آئے گی[۱۱۵] اور اپنے سب اہل وعیال کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔ ۸۸-۹۳

جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو اُن کے باپ نے (کنعان میں اپنے گھر کے لوگوں سے) کہا: اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں تو میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں[۱۱۶]۔

---

۱۱۴؎ یہی وہ حقیقت ہے جس کی وضاحت کے لیے یہ تمام سرگذشت قریش مکہ کو سنائی گئی ہے۔

۱۱۵؎ یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے جس کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''حضرت یوسف نے اپنے جسم سے لمس کیا ہوا کرتا ہی اپنی نشانی کے طور پر کیوں بھیجا؟ اور کرتے میں یہ اثر کہاں سے آیا کہ اِس سے بصارت عود کر آئے؟ یہ سوالات نہ ہر شخص کے حل کرنے کے ہیں اور نہ اِس کا حل ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اِن چیزوں کا تعلق جذبات سے ہے اور جذبات بھی ایسے عالی مقام لوگوں کے کہ ایک طرف حضرت یعقوب ہیں، دوسری طرف حضرت یوسف۔ ہم عامی اِس طرح کے معاملات میں اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ سچے جذبات کی تاثیر و تاثر کے کرشمے ایسی حیرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں کہ عقل اُن کی توجیہ سے بالکل قاصر رہ جاتی ہے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۲۵۱)

۱۱۶؎ یعقوب علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ جن ہستیوں کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے، اُن کے قویٰ اور حواس کو اپنے قویٰ اور حواس پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ اُنھیں اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اور جس طریقے سے چاہتے ہیں، کسی معاملے سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی دیکھ لیجیے، یوسف علیہ السلام ۲۰ سال سے زیادہ



www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ
فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا
یٰٓـاَبَانَا اسْتَغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِیْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُلَكُمْ رَبِّیْ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴿۹۸﴾

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

---

لوگوں نے کہا: خدا کی قسم، آپ ابھی تک اپنے اُسی پرانے خبط میں مبتلا ہیں۔ پھر جب یہ ہوا کہ خوش خبری دینے والا پہنچ گیا[117]، اُس نے کرتا یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا تو یکایک اُس کی بینائی لوٹ آئی۔ تب اُس نے کہا: میں نے تمھیں بتایا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یوسف کے بھائی بول اٹھے: ابا جان، آپ ہمارے گناہوں کی معافی کے لیے دعا کریں، واقعی ہم خطاکار تھے۔ اُس نے کہا: میں اپنے رب سے جلد[118] تمھارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا، بے شک وہی بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔۹۴-۹۸

پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے، اُس نے اپنے والدین[119] کو خاص اپنے پاس جگہ دی اور کہا:

---

مدت تک مصر میں رہے اور حضرت یعقوب کو کبھی اُن کی خوشبو نہ آئی، مگر اِس وقت اُن کی قوت ادراک یکایک ایسی تیز ہوگئی کہ یوسف کا پیرہن مصر سے چلا اور وہ اُس کی خوشبو محسوس کرنے لگے۔

۱۱۷؎ اصل الفاظ ہیں: 'فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ'۔ اِن میں 'اَنْ' سے پہلے ایک فعل محذوف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔

۱۱۸؎ اصل میں لفظ 'سَوْفَ' آیا ہے۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ حضرت یعقوب نے اُن سے خاص اہتمام کے ساتھ اور خاص وقت میں دعا کا وعدہ فرمایا، یہ کہہ کر ٹال نہیں دیا کہ جاؤ، اللہ تمھیں معاف فرمائے۔

۱۱۹؎ یعنی اپنے والد اور اپنی سوتیلی والدہ کو جو اُن کی حقیقی خالہ بھی تھیں۔ بائیبل میں صراحت ہے کہ اُن کی والدہ وفات پا چکی تھیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ
رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ
وَجَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ
لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ

---

مصر میں، اگر اللہ چاہے تو امن چین سے رہیے۔[۱۲۰] (اپنے گھر پہنچ کر) اُس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا[۱۲۱] اور سب اُس کے لیے سجدے میں جھک گئے۔[۱۲۲] یوسف نے کہا: ابا جان، یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اُس کو حقیقت بنا دیا۔ اُس نے مجھ پر بڑا کرم فرمایا، جب مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب لوگوں کو دیہات سے یہاں لے آیا، اِس کے باوجود کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے، اُس کے لیے نہایت مخفی راہیں نکال لینے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

---

۱۲۰؎ یہ خیر مقدم کا جملہ ہے۔ بائیبل کا بیان ہے کہ یہ لوگ پہنچے تو حضرت یوسف نے شہر سے باہر نکل کر اِن کا خیر مقدم کیا اور اِنھیں اِس شان سے شہر میں لائے کہ ایک جشن کی صورت پیدا ہو گئی۔

۱۲۱؎ اِس سے مراد یہاں تخت شاہی نہیں، بلکہ وہ تخت ہے جس پر حضرت یوسف اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے بیٹھتے تھے۔

۱۲۲؎ سجدے سے مراد یہاں وہ سجدہ نہیں ہے جو ہم خدا کے آگے کرتے ہیں، بلکہ رکوع کے طریقے پر جھکنا ہے۔ بڑوں کی تعظیم کے لیے اِس انداز میں جھکنا قدیم زمانے کا معروف طریقہ تھا۔ عربی زبان میں لفظ 'سجد' اِس معنی کے لیے بھی عام استعمال کیا جاتا ہے۔ بائیبل اور تالمود، دونوں میں تصریح ہے کہ جس چیز کو اصطلاحی سجدہ کہا جاتا ہے، وہ بنی اسرائیل کی شریعت میں بھی غیر اللہ کے لیے اُسی طرح ممنوع تھا، جس طرح ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ یہاں جس واقعے کا ذکر ہے، وہ کس طرح پیش آیا؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

''حضرت یوسف نے اپنے والدین کو تعظیماً تخت پر جگہ دی۔ بقیہ لوگ حسب دستور عام لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے ہوں گے۔ اِس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نمودار ہوئے اور قاعدے کے مطابق اُن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ
تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾

---

وہی علیم و حکیم ہے۔ پروردگار، تو نے مجھے اقتدار میں حصہ عطا فرمایا اور باتوں کی تعبیر کر لینے کے علم میں سے بھی سکھا دیا۔ زمین اور آسمانوں کے بنانے والے، دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ مجھے اسلام پر موت دے اور اپنے نیک بندوں کے زمرے میں شامل فرما[۱۲۳]۔۹۹-۱۰۱

---

کے خدم و حشم اُن کی تعظیم کے لیے جھکے تو ماحول سے متاثر ہو کر یہ لوگ بھی بے اختیارانہ اُن کی تعظیم کے لیے جھک پڑے۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۲۵۴)

۱۲۳؎ سبحان اللہ، کیا حسن سیرت ہے! نہ گلہ نہ شکوہ، نہ طعن و تشنیع اور ملامت، نہ فخر جتانے اور بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش، بلکہ اپنے پروردگار کی شکر گزاری اور اُس کے احسانات کا اعتراف اور بھائیوں کی تسلی کے لیے اپنی طرف سے یہ صفائی کہ درحقیقت یہ شیطان تھا جس نے میرے اور اُن کے درمیان برائی ڈال دی تھی۔ پھر خدا سے اُس کی بندگی پر استقامت اور صالحین کے زمرے میں شامل کیے جانے کی دعا جس پر بات ختم ہوئی ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں میں جو سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتا ہے، یوسف علیہ السلام کی یہ گفتگو اُس کا بہترین نمونہ ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معز امجد
ترجمہ و تدوین: شاہد رضا

# انصاری خواتین کی بیعت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ جَمَعَ نِسَاءَ الْأَنْصَارِ فِيْ بَيْتٍ فَأَرْسَلَ إِلَيْنَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: أَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُنَّ وَأَمَرَنَا بِالْعِيدَيْنِ أَنْ نُخْرِجَ فِيْهِمَا الْحُيَّضَ وَالْعُتَّقَ وَلَا جُمُعَةَ عَلَيْنَا وَنَهَانَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ.

---

بے شک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے انصاری خواتین کو ایک گھر میں جمع کیا اور ہماری طرف حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کو بھیجا۔ انھوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر ہمیں سلام کیا، تو ہم نے ان کو سلام کا جواب دیا۔ پھر انھوں نے کہا: میں تمھاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رساں ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم عیدین میں حائضہ اور نوجوان عورتوں کو حاضر کریں، اور یہ کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں ہے، اور آپ نے ہمیں جنازہ کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا۔

## وضاحت

یہ روایت ابوداؤد، رقم ۱۱۳۹ میں روایت کی گئی ہے۔ اسی طرح کا واقعہ بعض اختلافات کے ساتھ احمد، رقم ۲۰۸۱۶، ۲۷۳۵۰؛ ابن حبان، رقم ۳۰۴۱؛ بیہقی، رقم ۵۴۲۷؛ ابویعلیٰ، رقم ۲۲۶ اور ابن خزیمہ، رقم ۱۷۲۲-۲۳ میں بھی روایت کیا گیا ہے۔

علامہ محمد ناصر الدین الالبانی نے اپنی کتاب ''ضعیف سنن ابی داؤد''، رقم ۱۱۳۹ پر تعلیق لکھتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے دوسرے طرق بھی راویوں کی اسی سند پر مشتمل ہیں، اس لیے ان میں بھی اسی طرح کا ضعف پایا جاتا ہے، جس طرح کا ضعف سنن ابوداؤد کی روایت میں پایا جاتا ہے۔

## خلاصۂ کلام

اس روایت کی سند کے بارے میں علامہ ناصر الدین الالبانی کی رائے کے مطابق، ہم اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل قول قرار نہیں دے سکتے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

# قراءت کا اختلاف

ہم نے اپنی کتاب ''میزان'' کے مقدمہ ''اصول و مبادی'' میں لکھا ہے کہ قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت بغیر کسی ادنیٰ اختلاف کے تلاوت کر رہی ہے۔ اِس پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بر سبیل تنزل اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن صرف وہی ہے اور مسلمانوں کے عوام ہمیشہ سے اُسی کو پڑھتے اور پڑھاتے رہے ہیں تو اُن کے علما کا طرزِ عمل اِس سے مختلف کیوں ہے؟ یہ آخر کس طرح ہوا کہ تفسیر، حدیث اور فقہ کے ائمہ اِن علوم کی ابتدا ہی سے قرآن کی متعدد قراءتوں کو ایک ہی درجے میں رکھ کر اُن میں سے جس کو چاہتے، اپنے ذوق و رجحان کی بنیاد پر ترجیح دیتے رہے ہیں، یہاں تک کہ امام مالک اور امام شافعی جیسے جلیل القدر فقہا اور محدثین بھی یہ کہنے میں کوئی تردد محسوس نہیں کرتے کہ اُن میں سے ایک کے نزدیک نافع اور دوسرے کے نزدیک ابن کثیر کی قراءت مرجح ہے۔

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ اِن ائمہ سے بہت پہلے مسلمانوں کے علما کی بڑی اکثریت یہ راے قائم کر چکی تھی کہ اخبار آحاد سے ملنے والے علم کی تحصیل عام مسلمانوں کے لیے تو بے شک ضروری نہیں ہے، لیکن اُن کے علما اور خواص کے لیے بہرحال ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کی نسبت پر مطمئن ہو جانے کے بعد اخذ و استدلال کے لحاظ سے اُس میں اور اُس علم میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا جو مسلمانوں میں شائع و ذائع ہے اور عامہ سے عامہ کو منتقل ہو رہا ہے۔ امام شافعی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الرسالہ'' میں لکھتے ہیں:

وعلم الخاصة سنة من خبر الخاصة ''اور خواص کا علم وہ سنت ہے جو اُنھی کی خبر سے ملتی

يعرفها العلماء، ولم يكلفها غيرهم، وهي موجودة فيهم أوفي بعضهم بصدق الخاص المخبر عن رسول الله بها، وهذا اللازم لأهل العلم أن يصيروا إليه. (رقم ۱۳۳۰)

ہے،جس کو علما جانتے ہیں اور جس کے جاننے کا مکلّف عام لوگوں کو نہیں ٹھیرایا گیا۔ یہ سنت تمام علما کے پاس یا اُن میں سے بعض کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی قابل اعتماد خبر دینے والے کی خبر سے موجود ہوتی ہے اور یہ وہ علم ہے جس کی طرف اہل علم کو لازماً رجوع کرنا چاہیے۔''

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد جب بعض ثقہ لوگوں نے یہ بیان کرنا شروع کیا کہ اُنھوں نے، مثال کے طور پر، فاتحہ (۱) کی آیت ۳ میں کسی صحابی سے لفظ 'مٰلِك' کو بادشاہ کے معنی میں 'مَلِك' اور بقرہ (۲) کی آیت ۱۰ میں 'يَكْذِبُوْنَ' کو ذال کی تشدید کے ساتھ 'يُكَذِّبُوْنَ' اور نساء (۴) کی آیت ۱۲ میں 'يُوْصٰى' کو مبنی للفاعل بھی سنا ہے تو اہل علم کے حلقوں میں اِس کو اُسی طرح قبول کیا گیا، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے دوسرے اقوال و افعال کے اخبار قبول کیے جا رہے تھے۔ اِس کا سبب بھی بالکل واضح تھا۔ وہ اگر قرآن کے معاملے میں اِن اخبار کو قبول نہ کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات اور فیصلوں اور آپ کی تفہیم و تبیین اور اسوۂ حسنہ سے متعلق اخبار کو قبول کرنے کے لیے بھی اُن کے پاس کوئی وجہ باقی نہیں رہ سکتی تھی، اِلّا یہ کہ کسی نص سے اِس تفریق کا جواز پیش کیا جائے۔

قرآن مجید میں مختلف قراءتوں کا چرچا علماے تابعین کی اِسی راے کی بنا پر ہوا۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ علم قراءت کے جو ماہرین مسلمانوں میں پیدا ہو رہے تھے، اُن میں کچھ ایسے لوگ بھی نمایاں ہونے لگے جنھوں نے صرف اِسی بات پر اکتفا نہیں کی کہ اہل عرب کے لہجے اور اظہار، اخفا، ادغام، امالہ، تفخیم اور اشمام و اتمام وغیرہ میں اُن کے طریقوں کی رعایت سے قرآن پڑھنا سیکھ لیں، بلکہ اِس سے آگے بڑھ کر قرآن سے متعلق 'علم الخاصۃ' کے اُنھی اخبار میں سے، جن کا ذکر اوپر ہوا، بعض کو بعض پر ترجیح دے کر اُنھوں نے اپنی ایک خاص قراءت بھی مرتب کر ڈالی جو اُسی طرح اُن کے نام سے مشہور ہو گئی، جس طرح امام مالک، امام شافعی اور دوسرے ائمہ کی فقہ اُن کے نام سے مشہور ہے۔ علم قراءت کے اِن ماہرین کو اِسی بنا پر اصحاب اختیار کہا جاتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا اور یہی ہونا چاہیے تھا کہ علم کے طالب اُن کے اِس اختیار کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اُن سے رجوع کرنے لگے، بالکل اُسی طرح، جس طرح وہ ائمۂ فقہ سے اُن کی فقہ اور ائمۂ حدیث سے حدیث سیکھنے کے لیے رجوع کرتے تھے۔ پھر یہی نہیں، بارہا ایسا بھی ہوا کہ اُنھوں نے یا اُن کے بعد اُن کے شاگردوں میں سے کسی نے اُس زمانے کے علمی مراکز، مثلاً مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق وغیرہ

میں سے کسی شہر کو اپنا مستقر بنا لیا تو اُس شہر کے علما اور قرا میں اُس کے اختیار کو ایسی مقبولیت حاصل ہو گئی کہ اُس کے متعلق کہا جانے لگا کہ اِس شہر کے لوگ اُس کی قراءت پر ہیں۔ اِس تعبیر میں لوگوں سے مراد علما اور قرا ہی تھے، اِس کا عامۃ الناس سے ہرگز کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ اِس طرح کی چیزوں کو اِس طریقے سے ترک یا اختیار نہیں کرتے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ یہ صورت حال تبدیل بھی ہوتی رہتی تھی اور اُسی شہر کے اہل علم کچھ عرصے کے بعد کسی دوسرے قاری کی قراءت کو اختیار کر لیتے تھے اور یہی سبب ہے کہ اِن علمی مراکز سے باہر پوری مسلم دنیا میں نہ کوئی دوسری قراءت کہیں ملتی ہے اور نہ اِس طرح کے کسی ترک و اختیار کے کوئی آثار کہیں دریافت کیے جا سکتے ہیں۔ اِس سے مستثنیٰ صرف قیروان ہے، جہاں قاضی عبداللہ بن طالب نے تیسری صدی ہجری کے آخر میں یہ حکم جاری کر دیا کہ لوگوں کو صرف نافع کی قراءت پڑھائی جائے گی*۔ لہٰذا عام مسلمان بھی اِس کے بعد قیروان اور اُس کے زیر اثر مغرب کے بعض علاقوں میں اِسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھنے کے لیے مجبور ہو گئے اور آج تک پڑھ رہے ہیں۔ اِس حکم کا باعث غالباً یہ ہوا کہ یہ لوگ فقہ مالکی کے پیرو تھے اور امام مالک کے بارے میں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ وہ قراءت میں نافع کے اختیار کو ترجیح دیتے تھے۔

یہی معاملہ بعض چھوٹی چھوٹی بستیوں میں علما کے زیر اثر بھی ہوا۔ تاہم یہ معدودے چند مقامات تھے اور اِس وقت بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ اِن کے سوا باقی دنیا میں عام مسلمان کبھی اِن تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوئے اور نہ علما نے اُنھیں متاثر کرنے کی کوشش کی۔ دونوں اپنے اپنے طریقے پر چلتے رہے۔ چنانچہ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں قرآن کی مختلف قراءتوں سے استفادے کی روایت صدیوں تک بغیر کسی انقطاع کے قائم رہی اور آج بھی بڑی حد تک قائم ہے۔ علما اپنے مباحث، تصنیفات، مجالس اور مدارس میں اِس کا اظہار کرتے اور قرا حضرات آج بھی سات، دس، بلکہ اِس سے بھی زیادہ قراءتوں پر قرآن کی تلاوت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ عام مسلمانوں میں شائع و ذائع قرآن ایک ہی ہے۔ اُنھوں نے اِسے عامۂ صحابہ سے لیا تھا اور امام شافعی کی تعبیر کے مطابق نسلاً بعد نسلٍ عامہ سے عامہ کو منتقل کر رہے ہیں۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اِسے حفص کی روایت بھی کہا جاتا ہے، مگر اِس سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، اِس لیے کہ ایک چیز محض قراءت ہے اور ایک اُس میں اہل عرب کے لہجے کی فنی نزاکتوں، مثلاً امالہ، تفخیم، اشباع، اختلاس، صلہ، اشمام، روم اور ترقیق و تغلیظ وغیرہ کی رعایت سے حسن ادا کا اہتمام، جس سے کلام کے مدعا میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اِس قرآن میں یہی دوسری چیز ہے جو حفص کی روایت سے اخذ کی جاتی ہے اور اِسی بنا پر اِسے اُن سے منسوب بھی کیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے اِس کی تعلیم اپنے استاد عاصم

* ترتیب المدارک، قاضی عیاض بن موسیٰ ۱/ ۴۸۳۔



www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سے حاصل کی تھی اور عاصم اِس فن میں جلیل القدر تابعی ابوعبدالرحمٰن السلمی کے شاگرد تھے جو کم وبیش چالیس برس تک کوفہ میں اِس کی یہ فنی نزاکتیں طلبہ کو سکھاتے رہے۔ اُن کے بارے میں سبع قراءات کے اولین مرتب ابوبکر بن مجاہد نے تصریح کر دی ہے کہ وہ اپنا کوئی اختیار نہیں، بلکہ وہی قراءت پڑھاتے تھے جس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کرنے کی سعی کی تھی۔ اُس نے لکھا ہے:

أول من أقرأ بالكوفة القراءة التي جمع عثمان رضی اللّٰه تعالٰی عنه الناس عليها أبو عبد الرحمٰن السلمی.

''سب سے پہلے جس نے کوفہ میں اُس قراءت کی تعلیم دی جس پر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا تھا، وہ ابوعبدالرحمٰن السلمی ہی تھے۔''

(السبعۃ فی القراءات، ابوبکر بن مجاہد ۱/ ۶۷)

یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے مختلف قراءتوں کا شیوع دیکھ کر لوگوں کی تنبیہ کے لیے فرمایا تھا:

كانت قراءة أبي بكر و عمر و عثمان و زيد بن ثابت والمهاجرين والأنصار واحدة، كانوا يقرؤن القراءة العامة، وهي القراءة التي قرأها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على جبريل مرتين في العام الذي قبض فيه، وكان زيد قد شهد العرضة الأخيرة، وكان يقرئ الناس بها حتى مات.

(البرہان، الزرکشی ۱/ ۳۳۱)

''ابوبکر و عمر، عثمان، زید بن ثابت اور تمام مہاجرین و انصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ وہ قراءت عامہ کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ یہ وہی قراءت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔ عرضۂ اخیرہ کی اِس قراءت میں زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اِسی کے مطابق قرآن پڑھاتے رہے۔''

یہی قراءت اِس وقت ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ تاریخ کے اوراق سے کوئی ادنیٰ شہادت بھی پیش نہیں کی جاسکتی کہ تمام مسلمانوں کو ایک قرآن پر اکٹھا کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حجاج بن یوسف کی مساعی کے بعد اِس کو کسی عالم نے اپنے اثر ورسوخ یا کسی حاکم یا قاضی نے ریاست کی طاقت سے کبھی مسلمانوں کے اندر رائج کرنے کی کوشش کی ہو، جس طرح کہ مغرب میں نافع کی قراءت کے معاملے میں کی گئی۔ عرضۂ اخیرہ کے بعد اِسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں نے رائج کیا اور یہ اُسی طرح رائج ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے قرا جب اپنے مختارات ترتیب دے رہے تھے اور اُن کے محدثین جب 'علم الخاصۃ' کے اخبار جمع کر رہے تھے اور اُن کے فقہا اور مفسرین جب اُن کی مدد سے قرآن کی مشکلات حل کر رہے تھے، اُس وقت بھی وہ پوری

دنیا میں اِسی کی تلاوت کر رہے تھے۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں وہ ہندوستان میں داخل ہوئے تو اِسی کی تلاوت کرتے ہوئے داخل ہوئے اور آٹھویں صدی کے اواخر میں جب جاوا، سماٹرا، ملایا اور مشرق بعید کے دوسرے جزائر کے ساحلوں پر اترے تو اُس وقت بھی اُن کے ہاتھوں میں یہی قرآن تھا اور خدا نے چاہا تو قیامت تک یہی رہے گا۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کے علم نے اگر اِن سب حقائق کے باوجود 'علم الخاصۃ' کے اخبار کو اِس باب میں قبول کیے رکھا ہے تو مدرسۂ فراہی کے اہل علم کا رویہ اِس سے مختلف کیوں ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ ثقات کے اخبار کو رد کرنا کسی صاحب علم کے لیے آسان نہیں ہے، اِس کے لیے نص چاہیے تھی۔ چنانچہ اِس مسئلے سے متعلق سورۂ قیامہ کی آیتوں کا صحیح مفہوم اگر ابتدا ہی میں واضح ہو جاتا تو مسلمانوں کے علما اور فقہا اور مفسرین بھی غالباً وہی کرتے جو مدرسۂ فراہی کے اہل علم کر رہے ہیں۔ امام حمید الدین فراہی نے اِن آیتوں کا صحیح مفہوم واضح کر دیا ہے، لہٰذا وہ نص میسر ہو گئی ہے جس کے اعتماد پر اب کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کی قراءت سے متعلق تمام اخبار اگر صحیح بھی ہوں تو قرآن کے ابدی مخاطبین کے لیے عرضۂ اخیرہ کی قراءت سے منسوخ کر دیے گئے ہیں، اِس لیے کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتے۔* قرآن کا حکم ہے کہ جمع و ترتیب کے بعد اُس کی جو قراءت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جائے گی، مسلمان قیامت تک اُسی کی پیروی کریں گے اور کوئی مسلمان قرآن کے اِس حکم سے انحراف کی جسارت نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ، فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ.
(القیٰمہ ۷۵:۱۶-۱۸)

''تم اِس (قرآن) کو جلد پا لینے کے لیے اپنی زبان کو اِس پر نہ چلاؤ۔ (یہ اِسی طرح اترے گا۔ تم مطمئن رہو)، اِس کا جمع کرنا اور سنانا، سب ہماری ذمہ داری ہے۔ اِس لیے جب (اُس وقت) ہم اِس کو پڑھیں تو اِس کی اُس قراءت کی پیروی کرو۔''

[۲۰۱۴ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

* بخاری کی روایت اگر صحیح ہے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابی بن کعب کی بہت سی قراءتوں کو اِسی استدلال سے رد کر دیا تھا، جنھیں وہ یہ کہہ کر پیش کر رہے تھے کہ 'لا أدع شيئًا سمعته من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم'، ''میں قرآن کی کوئی چیز نہیں چھوڑوں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے'' (رقم ۴۴۸۱)۔

محمد وسیم اختر مفتی

# حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

(۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت عمار عظیم المرتبہ والدین یاسر بن عامر (بن مالک) عنسی اور سمیہ بنت خباط کے فرزند تھے۔ ابن عبدالبر نے حضرت عمار کے نسب میں ان کے دادا عامر کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت عمار کا شجرۂ نسب یعرب بن قحطان سے جا ملتا ہے جو ایک قول کے مطابق اس دنیا میں عربی بولنے والے پہلے شخص تھے۔ یعرب کی دسویں نسل میں زید بن مالک (مذحج) ہوئے جو اپنے لقب عنس سے مشہور ہیں۔ حضرت عمار بن یاسر کا قبیلۂ عنس انھی کے نام سے منسوب ہے، اسی لیے حضرت عمار عنسی اور مذحجی، دونوں نسبتوں سے جانے جاتے ہیں۔ یمن کے خراب حالات اور خشک سالی کے باعث حضرت یاسر کا ایک بھائی اپنے کئی ہم وطنوں کی طرح گھر سے بھاگ نکلا تو وہ اپنے دو دوسرے بھائیوں حارث اور مالک کو لے کر اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے بے سہارا لوگوں کی جاے پناہ مکہ پہنچ گئے۔ بھائی نہ ملا تو حارث اور مالک تو مایوس ہو کر وطن واپس چلے گئے، لیکن حضرت یاسر کو مکہ ایسا بھایا کہ وہیں بس گئے۔ انھوں نے قبائلی رواج کے مطابق بنومخزوم کے سردار، ابوجہل کے چچا ابوحذیفہ (مہشم بن مغیرہ) کے ساتھ جینے مرنے کا حلف اٹھا لیا۔ ابوحذیفہ نے حضرت یاسر کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا، پھر بنولخم سے تعلق رکھنے والی اپنی باندی سمیہ بنت خباط (یا خیاط) سے ان کی شادی کر دی۔ ۵۷۰ء کو عام الفیل کہا جاتا ہے، کیونکہ اس سال ہاتھیوں کی فوج لے کر خانۂ کعبہ پر حملہ کرنے والے ابرہہ کو عبرت ناک انجام کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی سن میں یا ۵۶۶ء میں حضرت یاسر کے ہاں حضرت عمار کی ولادت ہوئی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا سال بھی یہی ہے، تاہم حضرت عمار آپ سے کچھ بڑے تھے۔

ابوحذیفہ کی وفات بعثت نبوی سے پہلے ہوئی، انھوں نے اپنی زندگی ہی میں حضرت یاسر اور حضرت عمار کو آزاد کر دیا تھا، تاہم حضرت یاسر کا کنبہ بنومخزوم ہی میں رہا۔ عبداللہ (یا عبود) اور حریث (یا حویرث) حضرت عمار کے بھائی تھے۔ ابن سعد نے سلمہ بن ازرق کو حضرت عمار کا ماں جایا قرار دیا ہے، کئی علماے رجال نے اس کی تائید کی، لیکن ابن حجر نے سختی سے تردید کی ہے۔ ابوالیقظان حضرت عمار کی کنیت تھی۔

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہ سے شادی کے واقعات بیان کرتے تو حضرت عمار بن یاسر کہتے: میں سیدہ سے آپ کی شادی کے بارے میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں آپ کا ہم عمر، دوست اور رازدان تھا۔ ایک دفعہ آپ کے ساتھ باہر نکلا۔ حزورہ کے بازار میں ہمارا گزر حضرت خدیجہ کی بہن پر ہوا جو کھالیں بیچ رہی تھیں، انھوں نے مجھے بلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہے، جبکہ میں آگے بڑھ کر ان کی بات سننے گیا۔ انھوں نے پوچھا: تمھارا یہ ساتھی کیا خدیجہ سے بیاہ کرنا چاہے گا؟ میں نے آپ کو بتایا تو آپ نے جواب فرمایا: کیوں نہیں، میرے دین کی قسم، میں نے واپس جا کر آپ کی آمادگی کی خبر دی تو حضرت خدیجہ کی بہن نے کہا: کل صبح ہمارے گھر آ جانا۔ حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے آپ سے حضرت خدیجہ کی نسبت طے کی اور انھی کی سرپرستی میں شادی سرانجام پائی۔ یہ روایت کہ حضرت خدیجہ کے والد نے نشے میں دھت ہو کر رشتہ دیا، قطعی طور پر درست نہیں۔ خویلد بن اسد تب زندہ ہی نہ تھے، وہ تو اس واقعہ سے پانچ برس پہلے ہونے والی جنگ فجار (۵۸۹ء) سے بھی قبل وفات پا چکے تھے۔

حضرت عمار بن یاسر 'اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* میں شامل تھے۔ ابن اسحاق کی مرتب کردہ فہرست کے مطابق ان سے پہلے اکاون اصحاب نے اسلام قبول کیا، جبکہ ابن سعد کہتے ہیں کہ تیس سے کچھ اوپر اصحاب حضرت عمار سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ حضرت صہیب اور حضرت عمار بن یاسر کو ایک ہی دن ایمان کی نعمت ملی۔ اس کا حال حضرت عمار نے یوں بیان کیا ہے کہ دار ارقم کے دروازے پر حضرت صہیب بن سنان سے میری ملاقات ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے۔ میں نے پوچھا: کیسے آئے ہو؟ یہی سوال انھوں نے مجھ سے کر دیا، میں نے بتایا: میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر ان کا کلام سننا چاہتا ہوں۔ حضرت صہیب نے کہا: میرا منشا بھی یہی ہے۔ دونوں اندر داخل ہوئے، آپ نے اسلام کی دعوت پیش کی تو ہم دونوں مسلمان ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ دن ہم نے وہیں گزارا اور رات کے وقت چھپتے چھپاتے واپس لوٹے۔ اپنی سبقت الی الاسلام حضرت عمار نے اس طرح ذکر کی ہے:

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔



www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ زمانہ دیکھا ہے جب پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ابوبکر کے علاوہ کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا'' (بخاری، رقم ۳۶۶۰)۔ پانچ غلام حضرت بلال، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ابوفکیہہ اور حضرت شقران (یا یاسر یا خود عمار) تھے۔ عورتیں حضرت خدیجہ اور حضرت ام ایمن (یا سمیہ) تھیں۔ حضرت عمار نے حضرت علی کا ذکر نہ کیا، کیونکہ وہ چھوٹے تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ تب کئی اہل ایمان، ایمان کی طرف سبقت کر چکے تھے، لیکن وہ ان مذکورہ مسلمانوں کی طرح اسلام کا اظہار نہ کرتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تشریف لاتے تو حضرت خباب بن ارت، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوفکیہہ یسار اور حضرت صہیب رومی فرط عقیدت سے آپ کو گھیر لیتے۔ یہ سب قریش کے غلام تھے، اسی لیے ان میں سے جو زیادہ سرکش تھے، ٹھٹھا کرتے اور کہتے: دیکھو! یہ ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی، یہی ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ نے ہدایت وحق کے لیے ہمارے بیچ میں سے چن لیا ہے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت میں کوئی بھلائی ہوتی تو ہمارے بجائے یہ لوگ اس کی طرف سبقت نہ کرتے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اصحاب رسول مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھتے۔ ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت خباب بن ارت اور حضرت سعید بن زید مل کر نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوسفیان، اخنس بن شریق اور دوسرے مشرکوں نے دیکھ لیا۔ انھوں نے ان مسلمانوں کو گالیاں نکالیں، برا بھلا کہا اور مارنے کو دوڑے۔ حضرت سعد نے ایک مشرک (عبداللہ بن خطل) کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری تو وہ زخمی ہو گیا۔ یہ شرک واسلام کی کشمکش میں نکلنے والا پہلا خون تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اسلام کا سورج طلوع ہو رہا تھا کہ مشرکوں نے مستضعفین پر تشدد سے اندھیر کر دیا۔ دھوپ نکل آتی اور مکہ کا صحرا خوب تپ جاتا تو بنومخزوم حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین کو جلتی ہوئی ریت پر ڈال دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو فرماتے: صبر کا دامن پکڑے رکھو، آل یاسر! تمھارے لیے جنت کا وعدہ ہے (مستدرک حاکم، رقم ۵۶۶۶)۔ کبھی وہ ان کے سینے پر پتھر رکھ دیتے۔ حضرت عثمان بن عفان بتاتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی وادی میں جا رہے تھے کہ دیکھا کہ حضرت یاسر، حضرت سمیہ اور حضرت عمار پر تشدد کیا جا رہا تھا۔ حضرت یاسر پکارے: کیا ہمیشہ ہی یہی ہوتا رہے گا؟ آپ نے جواب دیا: صبر کا دامن تھامے رکھو، اے اللہ! آل یاسر کی مغفرت کر دے اور یقیناً تو نے ایسا کر دیا ہے (احمد، رقم ۴۳۹)۔ ایک بار مشرکوں نے حضرت عمار کے سر کو آگ لگا دی تو آپ نے دعا فرمائی: اے آگ! عمار کے لیے اسی طرح ٹھنڈی ہو کر سلامتی کا باعث بن جا، جس طرح ابراہیم علیہ السلام

کے لیے بنی تھی۔ بنومخزوم کی ایذاؤں کی تاب نہ لاتے ہوئے پہلے حضرت عمار کے والد حضرت یاسر خالق حقیقی سے جا ملے، پھر ان کی والدہ حضرت سمیہ ابوجہل مخزومی کے غیر انسانی تشدد کا شکار ہو کر شہادت سے سرفراز ہوئیں۔ حضرت عمار بن یاسر پر اس قدر ظلم ڈھایا جاتا کہ وہ بھوک پیاس اور تکلیف سے بیٹھ سکتے نہ انھیں پتا چلتا کہ کیا بول رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام کا علانیہ اظہار ان سات نفوس قدسیہ نے کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمار بن یاسر، ان کی والدہ حضرت سمیہ، حضرت صہیب رومی، حضرت بلال حبشی اور حضرت مقداد بن اسود (یا خباب)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اللہ نے آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ کی، حضرت ابوبکر کے دفاع کا ذریعہ ان کی قوم بنی، باقی پانچوں کمزور حیثیت رکھنے والے مسلمانوں کو جن کا مکہ میں کنبہ تھا نہ مددگار، مشرکین لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ کی تپش دیتے۔ غلام ہونے کی وجہ سے کوئی ان کی طرف سے مزاحمت نہ کرتا۔ ان میں سے کوئی نہ تھا جس نے مشرکین کی بات نہ مانی، حضرت بلال ہی تھے جنھوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کی پروا نہ کی، ان کی قوم کو بھی ان کا خیال نہ ہوا۔ کافروں نے ان کو بچوں کے حوالے کر دیا، وہ انھیں پکڑ کر مکہ کی گھاٹیوں میں گھومتے پھرے، وہ ''اللہ ایک ہے''، ''اللہ ایک ہے'' کی صدا لگاتے رہے (احمد، رقم ۳۸۳۲۔ ابن ماجہ، رقم ۱۵۰)۔ راوی کی یہ بات درست نہیں کہ حضرت بلال کے علاوہ سزائیں جھیلنے والے ہر اولوالعزم نے مشرکوں کی مانگ پوری کی، یعنی بظاہر کفریہ کلمات کہہ کر تقیہ سے کام لیا۔ حضرت عمار بن یاسر، البتہ اس زمرہ میں ضرور شامل ہوئے۔ انھیں تپتی دھوپ میں لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا یا پانی میں ڈبکیاں دے کر ایذا دی جاتی۔ ایک بار انھیں کہا گیا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دے دو، لات و عزیٰ کی تعریف کر دو تو ہم تجھے چھوڑ دیتے ہیں۔ شدت تکلیف سے عاجز آ کر انھوں نے یہ سب کہہ دیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے روتے اور آنکھیں ملتے ہوئے آئے۔ آپ نے سوال فرمایا: تم اپنے دل کو کس کیفیت میں پاتے ہو؟ جواب دیا: میں اسے ایمان پر مطمئن پاتا ہوں۔ فرمایا: دوبارہ ایسی صورت حال پیش آئے تو پھر یہی کچھ کرنا۔ اس موقع پر یہ ارشاد ربانی نازل ہوا:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. (النحل ۱۶: ۱۰۶)

''جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کیا، وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبور کیا گیا، اس حال میں کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، بلکہ وہ جس نے شرح صدر کے ساتھ کفر کا ارتکاب کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ٹوٹے گا اور ان کو بڑا سخت عذاب ملے گا۔''

حضرت عمار بن یاسر قمیص اتارے ہوئے تھے کہ کسی نے دیکھا کہ ان کی کمر پر ورم اور زخموں کے کئی نشانات ہیں۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے بتایا: یہ ریگ زار مکہ میں قریش کی پہنچائی ہوئی ایذاؤں کے نشان ہیں۔

نبوت کے پانچویں سال جب مشرکین قریش کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ سیرت نگاروں کو اس امر کا یقین نہیں کہ مہاجرین حبشہ میں حضرت عمار بن یاسر بھی شامل تھے۔ اگر وہ حبشہ گئے تھے تو ان تینتیس اصحاب میں سے ایک تھے جو مشرکین مکہ کے ایمان لانے کی غلط اطلاع سن کر واپس لوٹ آئے تھے۔

تیرہ سال کے پر مشقت دور کے بعد بھی قریش مکہ کی بڑی تعداد اسلام سے بے رغبت رہی، جبکہ یثرب کے باسی دین حق کی طرف مائل ہونے لگے۔ تب اللہ کے نبی کو اس شہر کی طرف ہجرت کا اذن مل گیا۔ براء بن عازب کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عمرو بن ام مکتوم مدینہ پہنچے۔ یہ دونوں انصار کو قرآن سکھاتے تھے۔ ان کے بعد حضرت بلال (سعد) اور حضرت عمار بن یاسر نے شہر نبی کو ہجرت کی۔ پھر حضرت عمر بیس صحابہ کے جلو میں وارد ہوئے (بخاری، رقم ۳۹۲۵۔ احمد، رقم ۱۸۴۲۱)۔ ابن سعد کی روایت مختلف ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت ابوسلمہ نے پہلے مہاجر ہونے کا شرف حاصل کیا، ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عبداللہ بن جحش، ان کی اہلیہ اور نابینا بھائی حضرت ابواحمد عبد دار ہجرت پہنچے۔ عطاء بن ابورباح کہتے ہیں کہ حضرت عمار نے ابوسلمہ اور ام سلمہ کے ساتھ ہجرت کی، یہ دونوں بنومخزوم سے تھے اور حضرت عمار ان کے حلیف تھے (مستدرک حاکم، رقم ۵۶۵۳)۔ حضرت عمار نے مبشر بن عبدالمنذر کے ہاں قیام کیا۔ حضرت عمار ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے مضافات مدینہ میں دنیا کی پہلی مسجد، مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے کہا: ہمیں لازماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی جگہ بنانی چاہیے جہاں آپ دھوپ سے بچیں اور نماز ادا کر سکیں۔ پھر انھوں نے پتھر اکٹھے کیے اور مسجد قبا بنا دی جو عہد اسلامی کی پہلی مسجد ہے (مستدرک حاکم، رقم ۵۶۵۵)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد شہر مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی۔ آپ نے آگے بڑھ کر بنا میں حصہ لیا تو ایک صحابی نے کہا:

لئن قعدنا و النبی یعمل　　لذاك منا العمل المضلل

''اگر ہم بیٹھے رہے اور نبئ اکرم کام کرتے رہے تو یہ ہماری طرف سے گمراہی کا عمل ہوگا۔''

حضرت عمار بولے:

نحن المسلمون نبتنی المساجدا

''ہم مسلمان ہیں، مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔''

حضرت عمار بن یاسر اینٹیں ڈھو رہے تھے۔ ایک بار ساتھیوں نے کچھ زیادہ ہی بوجھ ان پر لاد دیا تو انھوں نے شکایت کی کہ یارسول اللہ، انھوں نے تو مجھے مار ڈالا ہے۔ مجھ پر اتنا وزن ڈال دیا ہے جو وہ خود نہیں اٹھا سکتے۔ آپ کے بال گھنگرالے اور گھنے تھے، کام کرنے کی وجہ سے بکھرے ہوئے تھے۔ بالوں کی لٹ ہاتھ سے ہٹاتے ہوئے فرمایا: بے چارے ابن سمیہ، یہ لوگ تجھے مارنے والے نہیں، تجھے تو ایک باغی گروہ قتل کرے گا (مسلم، رقم ۲۹۱۶)۔

حضرت علی نے یہ رجز پڑھا تو حضرت عمار بھی اسے دہراتے رہے:

لا یستوی من یعمر المساجدا

یدأب فیه قائمًا و قاعدا

و من یری عن الغبار حائدا

''جو شخص مسجد تعمیر کرتا ہے اور اس میں قیام و قعود کو معمول بنالیتا ہے اور وہ جو گرد و غبار سے کتراتا دکھائی دیتا ہے، برابر اور ہم پلہ نہ ہوں گے۔''

ایک صحابی (عثمان بن عفان یا عثمان بن مظعون) نے سمجھا کہ حضرت عمار اس پر طنز کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، وہ چلائے، میں اس لاٹھی سے آپ کے ناک کو نشانہ بناؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاس تھے، غصہ میں آ گئے اور فرمایا: ان کا عمار سے کیا مقابلہ؟ عمار انھیں جنت کی طرف بلا رہا ہے اور یہ انھیں دوزخ کی دعوت دے رہے ہیں۔ عمار میری آنکھوں اور ناک کے بیچ والی جلد ہے (یعنی میرے اتنا قریب ہے جتنی یہ جلد ہے)۔ کسی بھی شخص کی جلد کے اس حصے کو پکڑنے کی کوشش کی جائے گی تو کامیابی نہ ہوگی۔ لہٰذا اس سے بچ کر رہو (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۱۰۷)۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مسجد تعمیر کر رہے تھے، باقی اصحاب ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے، حضرت عمار دو دو اینٹیں ڈھو رہے تھے، ایک اپنی طرف سے اور دوسری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے۔ آپ نے حضرت عمار کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: تم اپنے ساتھیوں کی طرح ایک ایک اینٹ کیوں نہیں اٹھاتے؟ حضرت عمار نے کہا: میں اللہ سے اجر چاہتا ہوں۔ آپ نے ان کی کمر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ابن سمیہ، ''لوگوں کو اکہرا ثواب اور تمھیں دگنا اجر ملے گا۔ عمار ان کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور یہ اسے دوزخ کی دعوت دے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

رہے ہیں۔ عمار، تمھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ دنیا میں تمھارا آخری کھانا دودھ کا گھونٹ ہوگا'' (بخاری، رقم ۴۴۷۔ احمد، رقم ۱۱۸۰۰)۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا، جب حضرت عمار جنگ خندق میں خندق کھود رہے تھے (مسلم، رقم ۷۴۲۶۔ احمد، رقم ۲۲۵۰۷)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر بنانے کے لیے حضرت عمار کو قطعۂ زمین بھی عنایت کیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ حضرت انس بن مالک کے گھر میں پینتالیس مہاجرین جمع ہوئے۔ آپ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بلاتے اور فرماتے: تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اس موقع پر آپ نے حضرت عمار بن یاسر کو حضرت حذیفہ بن یمان (یا ثابت بن قیس خزرجی) کا مہاجر بھائی قرار دیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت عمار کی مواخات حضرت ثابت بن قیس سے قرار پائی۔

حضرت عمار بن یاسر نے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ شرکت کی۔

جمادی الاولیٰ ۲ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے شام کی طرف جانے والے قافلے کا پیچھا کرتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ آپ بنومدلج کی سرزمین میں وادیٔ ینبع کے مقام عشیرہ تک گئے۔ ایک ماہ تک وہاں قیام کیا، بنومدلج اور بنوضمرہ سے صلح نامہ کیا اور کوئی جنگ کیے بغیر مدینہ لوٹ آئے۔ حضرت عمار بن یاسر غزوۂ عشیرہ میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ خود اس کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت علی میرے ساتھ تھے، ہم نے بنومدلج کے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے چشمہ اور نخلستان میں مصروف عمل ہیں۔ حضرت علی نے کہا: ابوالیقظان، دیکھیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ ہم دونوں ان کے پاس پہنچے، کچھ دیر ان کے کام کو (دل چسپی سے) دیکھا تھا کہ ہم پر نیند غالب آنے لگی۔ چنانچہ ہم آگے گئے اور چھوٹی کھجوروں کے درمیان نرم زمین پر پڑ گئے۔ ہم سوئے پڑے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں کی حرکت سے جگایا۔ زمین پر سوئے رہنے کی وجہ سے ہم غبار آلود ہو چکے تھے۔ اس دن آپ نے حضرت علی سے فرمایا: او ابوتراب (غبار آلودہ)، تجھے کیا ہوا ہے؟ (احمد، رقم ۱۸۳۲۷)۔ کچھ اہل علم اس لقب کی وجۂ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت علی اور سیدہ فاطمہ کے مابین کوئی غلط فہمی ہوئی تو حضرت علی مسجد میں جا کر سو گئے اور چادر ہٹ جانے کی وجہ سے مٹی سے لتھڑ گئے تب آپ نے یہ لقب عطا کیا۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رضوان اللہ

# بعد از موت

(۵)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

## ۴۔عالم حشر

عالم نفوس، دنیا اور برزخ، یہ تینوں اس لحاظ سے مشترک ہیں کہ یہ ایک ہی وقت میں موجود اور مائل بہ عمل ہیں۔ یعنی ایک ہی وقت میں کوئی شخص عالم نفوس میں موجود اور زندگی مل جانے کا منتظر ہے تو کوئی دنیا میں آ چکا اور اس زندگی کو جی رہا ہے اور کوئی وہ ہے جو اِن مراحل سے گزر کر برزخ میں جا براجمان ہوا ہے۔لیکن دنیاے حشر ان تینوں سے اس لحاظ سے بالکل مختلف ہے کہ وہ آج کی نہیں، بلکہ کل کی بات ہے۔ نیز یہ امتحان ہے اور نہ اس سے متعلقہ کوئی امر، بلکہ صرف اور صرف امتحان کا نتیجہ سنا دینے کا ایک مرحلہ ہے۔ عالم حشر کی یہ خصوصیات ہیں جو تقاضا کرتی ہیں کہ اس کی ابتدا یوں ہو کہ سب سے پہلے یہاں برپا کیے گئے امتحانی نظام کی بساط لپیٹ دی جائے۔اس کے بعد لوگوں کو نئی زندگی دے کر اکٹھا کیا جائے۔ان کی کارگزاری دیکھنے کے لیے وہاں عدالت قائم ہو اور پھر نیک کاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا سنا دی جائے۔قرآن میں ان تمام مراحل کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ہم ذیل میں ان کو ترتیب وار پیش کرتے ہیں:

### قیامت

قرآن کی رو سے جینے اور مرنے اور پھر برزخ میں چلے جانے کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری نہ رہے گا۔ایک دن آئے گا جب موت وحیات کا یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچے گا، عالم برزخ منتہی ہو جائے گا،حتیٰ کہ ساری دنیا درہم برہم اور اس

کا ہر نظم تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ کائنات میں واقع ہونے والے اس عظیم حادثے کو دینی اصطلاح میں قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قیامت کا آغاز اس طرح ہو گا کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے اور خدا کی طرف سے مامور ایک فرشتہ اچانک صور پھونک دے گا۔ صور پھونک دیا جانا، اصل میں اس بات کا اعلان ہو گا کہ اب کائنات کے نظام میں تغیر کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس کی آواز کا پہلا اثر یہ ہو گا کہ لوگوں پر شدید گھبراہٹ اور ہول کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ اس کیفیت میں لوگ اپنی عزیز ترین چیزوں سے بے پروا ہو جائیں گے، مائیں اپنی ممتا کو بھول جائیں گی، حتیٰ کہ حاملہ عورتیں اپنے حمل تک ڈال دیں گی:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ. (النمل ۲۷: ۸۷)

''اور اس دن کا خیال کرو، جب صور پھونکا جائے گا اور وہ سب جو زمین اور آسمانوں میں ہیں، ہول کھا جائیں گے، سوائے ان کے جنھیں اللہ چاہے گا۔''

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى، وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ. (الحج ۲۲: ۲)

''جس دن تم اُسے دیکھو گے، اس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ اپنا حمل ڈال دے گی اور لوگ تمھیں مدہوش نظر آئیں گے، دراں حالیکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہو گا۔''

صور کے پھونک دیے جانے کے بعد زمین کی حالت کیا ہو گی، اس کے باسیوں پر کیا گزرے گی، اس کی خشکی اور تری میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی اور اس کے پہاڑ اور کھائیاں کیا کچھ جھیلیں گی؛ قرآن نے ان سب کا تفصیل سے نقشہ کھینچا ہے۔

بیان ہوا ہے کہ انسان کے پاؤں کے نیچے کی زمین میں بھونچال آ جائے گا۔ یہ عجیب اور بے ہنگم طریقے سے ہچکولے کھانے لگے گی۔ اس کا سکون ختم اور قرار متزلزل ہو جائے گا۔ اس کے اندر بہت سے راز پوشیدہ ہیں، بہت سی امانتیں اور خزانے مدفون ہیں، ایسا کھچاؤ پیدا ہو گا کہ یہ اس طرح کے تمام بوجھ نکال باہر کرے گی۔ اس کی بلندیوں کا حسن اور مناظر کی دل فریبی ختم ہو جائے گی، حتیٰ کہ تمام نشیب و فراز اُس دن برابر ہو جائیں گے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ، اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ. (الحج ۲۲: ۱)

''لوگو، اپنے پروردگار سے ڈرو۔ حقیت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہول ناک چیز ہے۔''

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ، وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ، وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ. (الانشقاق ۸۴: ۳-۵)

''اور وہ دن، جب زمین تان دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے، اسے باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی، اور اسے یہی چاہیے۔ (وہ دن تمھارے پروردگار سے ملاقات کا دن ہوگا)۔''

لَا تَرٰی فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا. (طٰہٰ ۲۰: ۱۰۷)

''تم اس میں کوئی کجی دیکھو گے اور نہ ہی کوئی بلندی۔''

زمین کی مضبوطی اور اس میں گڑے ہوئے پہاڑوں کی عظمت کا بھرم، اُس دن چکنا چور ہو جائے گا۔ ان دونوں کو ایک ہی بار میں اٹھا کر پاش پاش کر دیا جائے گا۔ یہ فلک بوس پہاڑ جو آج ثبات کے لیے ضرب المثل ہیں، اس قدر بے ثبات ہو جائیں گے کہ گرد و غبار اور دھنکی ہوئی اُون کے مانند ہوا میں اڑتے ہوں گے:

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً، فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ. (الحاقہ ۶۹: ۱۴-۱۵)

''اور زمین اور پہاڑوں کو ایک ہی مرتبہ اٹھا کر پاش پاش کر دیا جائے گا، تو اس دن ہو کے رہنے والی (قیامت) ہو جائے گی۔''

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا، فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا. (طٰہٰ ۲۰: ۱۰۵-۱۰۶)

''اور یہ لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، انھیں کہو کہ میرا رب ان کو گرد و غبار کی طرح اڑا دے گا اور زمین کو بالکل صفاچٹ چھوڑ دے گا۔''

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ. (القارعہ ۱۰۱: ۵)

''اور (اس دن) پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔''

قیامت کی ان گھڑیوں میں سمندروں پر جو گزرے گی، قرآن نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ ساحلوں سے گلے ملنے، راز و نیاز کی باتیں کرنے اور وفاؤں کا دم بھرنے والی لہریں، جو روٹھ کر چلی بھی جائیں تو پھر لوٹ آتی ہیں، اُس دن اتنے جوش اور ہیجان میں ہوں گی کہ معلوم ہوگا کہ یہ کنارے کبھی بھی ان کے دوست نہیں رہے۔ یہ ان سے کیے ہوئے سارے قول و قرار بھول جائیں گی۔ ان سے عہدِ وفا نبھانا تو در کنار، یہ ان کو پاؤں تلے روند کر رکھ دیں گی:

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ.... (التکویر ۸۱: ۶)

''اور جب سمندر ابل پڑیں گے...''

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ.... (الانفطار ۸۲: ۳)

''اور جب سمندر پھوٹ بہیں گے...''

قیامت کی ان ہول ناکیوں کا جانوروں پر بھی اثر پڑے گا۔ وحشی جانور بالعموم اکٹھے نہیں ہوتے کہ ان کو اپنی ضرورت



www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے لیے ایک دوسرے کی گھات میں بیٹھنا اور بھڑ جانا ہوتا ہے۔ ہونے والے واقعات کا ان پر اس قدر اثر ہوگا کہ وہ ایک دوسرے سے بے پروا ہو کر ایک ہی جگہ اکٹھے ہو جائیں گے:

وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ.... (التکویر ۸۱: ۵)

''اور جب وحشی جانور (اپنی سب دشمنی بھول کر، ایک ہی جگہ) اکٹھے ہو جائیں گے... (اس وقت ہر کوئی جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے)۔''

اِدھر زمین اور اس کی مخلوقات پر یہ سب بیت رہا ہوگا اور اُدھر آسمان اور اس کے متعلقات بھی قیامت کی زد میں ہوں گے۔ اِس نیلگوں چھت کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ پھٹ جانے کے بعد اس طرح نظر آئے گی، جیسے کھال کھینچ دیں تو نیچے سے سرخ گوشت نظر آنے لگتا ہے۔ انسان کی خدمت میں لگے ہوئے اجرام فلکی اور دیگر آرایشی قمقمے، اُس دن بے نور ہو جائیں گے۔ چاند اور سورج، آج اپنے اپنے دائروں میں کام کرتے دکھائی دیتے ہیں، یہ اپنے مداروں کو چھوڑیں گے اور ایک دوسرے سے جا ملیں گے:

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

فَاِذَا انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ وَرۡدَةً كَالدِّهَانِ. (الرحمٰن ۵۵: ۳۷)

''پھر (کیا بنے گی اس وقت) جب آسمان پھٹ جائے گا اور اتری ہوئی کھال کی طرح لال ہو جائے گا؟''

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ، وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ.... (التکویر ۸۱: ۱-۲)

''جب سورج کی بساط لپیٹ دی جائے گی، جب تارے ماند پڑ جائیں گے...''

فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ، وَخَسَفَ الۡقَمَرُ، وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ، يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ. (القیٰمہ ۷۵: ۷-۱۰)

''لیکن اس وقت، جب دیدے پتھرائیں گے، اور چاند گہنائے گا اور سورج اور چاند، دونوں اکٹھے کر دیے جائیں گے تو یہی انسان کہے گا: اب کہاں بھاگ کر جاؤں۔''

قیامت کی اس ہلچل کے دوران میں کوئی وقت ہوگا جب تمام انسان اپنے اوسان کھو کر بے ہوش ہو جائیں گے۔ بلکہ زمین والوں کا ذکر ہی کیا! آسمان کے باسی بھی اس دہشت سے اپنے ہواس کھو بیٹھیں گے۔ ہوش میں وہی رہے گا جس کے بارے میں خدا چاہے گا کہ وہ ہوش میں رہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ. (الزمر ۳۹: ۶۸)

''اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، سب بے ہوش ہر کر گر پڑیں گے، سوائے ان کے جنھیں اللہ چاہے گا۔''

## اعادۂ خلق

قیامت برپا ہو جانے اور اس کے نتیجے میں یہاں کا سارا نظام درہم برہم ہو جانے کے بعد وہ وقت آئے گا جب ایک نئی دنیا بالکل نئے اصولوں کے ساتھ پیدا کر دی جائے گی۔ اس کی پیدایش میں ذرہ بھر بھی مشکل نہ ہوگی، بلکہ یہ سب اسی طرح ممکن ہو جائے گا، جس طرح پہلی مرتبہ ممکن ہوا تھا۔ اس کو بنانے کے لیے کسی کاری گر کی تلاش ہوگی نہ نیا مادہ چاہیے ہوگا، وہی پروردگار عالم کہ جس نے اس دنیا کو عدم سے وجود بخشا تھا، کائنات کی وسعتوں میں بکھرے ہوئے اسی مادے سے نئی دنیا کو تخلیق کر لے گا:

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ، وَعْدًا عَلَيْنَا، اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ. (الانبیآء ۲۱: ۱۰۴)

’’جس طرح ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی، اُسی طرح اِس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے، اور ہم یہ کر کے رہیں گے۔‘‘

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ. (ابراہیم ۱۴: ۴۸)

’’اس دن کو یاد رکھو، جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔‘‘

جب نئے زمین اور آسمان تیار ہو جائیں گے تو آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کو زندہ کر دیا جائے گا۔ اس کے لیے ایک مرتبہ پھر سے صور پھونکا جائے گا جس کی آواز سے سب مردے جی اٹھیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو حیرانی سے تاکتے ہوں گے جس طرح کسی کو گہری نیند سے جگا دیا جائے تو وہ ہڑبڑا کر اٹھے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں اور اس قدر منتشر اور پراگندہ ہوں گے، جیسے آسمان سے بارش ہو اور اچانک بہت سے پتنگے کہیں سے نکل آئیں:

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ. (الزمر ۳۹: ۶۸)

’’پھر اس صور میں دوبارہ سے پھونکا جائے گا اور وہ یکا یک اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔‘‘

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ. (القارعہ ۱۰۱: ۴)

’’اس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے۔‘‘

عالم حشر میں دی جانے والی یہ زندگی پہلے ادوار میں دی جانے والی زندگی سے قدرے مختلف ہوگی۔ عالم نفوس اور برزخ کی زندگی سے اس طرح کہ اس میں روح مجرد نہیں، بلکہ ایک جسم کے ساتھ ہوگی۔ دنیوی حیات سے اس طرح کہ اس میں دیا جانے والا جسم اپنی خصوصیات میں بہت کچھ مختلف ہوگا۔ مثال کے طور پر:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۔آج انسانی جسم کوجلایا جائے تووہ اپنی اصل ساخت ہمیشہ کے لیے کھوبیٹھتا ہے،لیکن وہاں جب بھی اس کوجلایا جائے گا یہ اپنی اصل ساخت پر پھر سے لوٹ آئے گا،جیسا کہ بیان ہوا ہے:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا. (النساء۴:۵۶)

''اُن کی کھالیں جب پک جائیں گی،ہم ان کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے۔''

۲۔ان اجسام کی صلاحیتیں اورقوتیں بہت بڑھی ہوئی ہوں گی۔قوت باصرہ بہت دورتک دیکھ لینے میں آج کے اجسام کی طرح سائنسی آلات کی محتاج نہ ہوگی۔ان کی آوازیں اورسماعتیں بھی ہماری آوازوں اورسماعتوں کی طرح اتنی زیادہ محدودنہ ہوں گی۔لوگ درمیان میں بڑی دوریاں حائل ہونے کے باوجود جب چاہیں گے ایک دوسرے سے گفتگوکرلیا کریں گے۔جنتی آپس میں بات چیت کررہے ہوں گے کہ ان میں سے ایک شخص اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ ذرا جھانک کر دیکھو میرے اس ساتھی کا کیا حال ہوا جو قیامت کے برپا ہونے کے بارے میں بہت متعجب ہوا کرتا تھا:

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ، قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ، وَلَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ. (الصّٰفّٰت ۳۷:۵۵-۵۷)

''سووہ جھانکے گا اوراس (شخص) کوجہنم کے بالکل بیچ میں دیکھے گا۔وہ کہے گا: خدا کی قسم!تم نے تومجھے تباہ ہی کر دیا تھا۔اگرمیرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی یہاں پکڑ لیا گیا ہوتا۔''

۳۔آج صرف زبان ہے جوصلاحیتِ نطق رکھتی ہے،مگرہمیں دیے جانے والے نئے جسموں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ زبان کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ،پاؤں،کان اورآنکھیں،بلکہ رواں رواں بول سکتا ہوگا:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (یٰسٓ ۳۶:۶۵)

''آج ہم ان کے مونھوں پرمہرکردیں گے اوران کے ہاتھ ہمیں بتائیں گے اوران کے پاؤں شہادت دیں گے جوکچھ وہ کرتے رہے ہیں۔''

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۲۰)

''یہاں تک کہ جب وہ اس (جہنم) کے پاس حاضر ہو جائیں گے تو ان کے کان،اوران کی آنکھیں،اور ان کے جسم کے رونگٹے ان پران باتوں کی گواہی دیں گے جووہ کرتے رہے۔''

ضروری نہیں ہے کہ یہ اعضا اشارے اورکنایے کے ساتھ اپنے مدعا سمجھائیں۔وہ ایک نیا جہان ہوگا جس کے

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

قوانین بالکل نئے اور جس کے اصول یہاں کے اصولوں سے یک سر مختلف ہوں گے۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ یہ سب اسی طرح بات کریں، جس طرح آج یہ زبان بات کیا کرتی ہے۔ صرف اس خدا کی قدرت سامنے رہنی چاہیے جس نے زبان کے لوتھڑے کو قوت گویائی دی ہے کہ وہی دوسرے اعضا کو بھی ناطق بنا دے گا۔ بلکہ وہ عالم ہی نرالا ہو گا! انسان اور اس کے اعضا کا بولنا تو ایک طرف رہا، وہاں تو ہر چیز بول سکنے پر قادر ہو گی۔ جن جمادات کو ہم کسی درجے میں بھی ذی روح نہیں مانتے، وہ بھی خدا کے حکم پر بولیں گے، حتیٰ کہ وہاں زمین کا بولنا بھی قرآن نے ذکر کیا ہے:

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا، قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ. (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۲۱)

''اور وہ اپنے جسموں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے: ہمیں اسی اللہ نے گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا۔''

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا، بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا. (الزلزال ۹۹: ۴-۵)

''اس دن تیرے پروردگار کے ایما سے وہ اپنی سب کہانی کہہ سنائے گی۔''

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امین احسن اصلاحی

# مجتہدین، اجتہاد اور اجماع

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سوال: کیا مجتہد کا تصور آج بھی کوئی عملی قدر و قیمت رکھتا ہے؟ کیا اجتہاد اور اجماع اب بھی قرآن کے ماہرین اور فقہا ہی کے لیے مخصوص ہیں؟

جواب: اس میں شبہ نہیں ہے کہ اسلام میں اجتہاد اور اجماع کے معاملات قانون اسلامی کے ماہرین اور مجتہدین ہی کے لیے خاص ہیں، لیکن اس تخصیص کی بنیاد کسی روایت پرستی، کسی طبقاتی یا خاندانی تقدیس یا کسی گروہ خاص کی اجارہ داری پر نہیں ہے، بلکہ اسلامی قانون کے ایک فطری تقاضے پر ہے۔ وہ تقاضا یہ ہے کہ اسلامی قانون عام دنیاوی قوانین کی طرح بادشاہوں، عدالتوں، پارلیمنٹوں اور قانون ساز مجلسوں کا بنایا ہوا نہیں ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا دیا ہوا ہے۔ ہم اپنی طرف سے نہ اس میں کوئی ترمیم و تغیر کر سکتے اور نہ کوئی کمی بیشی۔ ہمیں اس قانون میں صرف اتنا اختیار ہے کہ جو حالات و مسائل ہمارے سامنے ایسے آئیں جن کی وضاحت اصل قانون میں نہیں ہے۔ ان کے لیے، اصل قانون کو سامنے رکھ کر اس کے اشارات اور تقاضوں کی روشنی میں، احکام و ہدایات مستنبط کر لیں۔ اسی استنباط کو اسلام کی اصطلاح میں اجتہاد کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ اجتہاد ہر شخص کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک طرف تو اس امر کا مقتضی ہے کہ آدمی کو اصل قانون میں پوری پوری مہارت حاصل ہو تاکہ وہ اس کے اشارات اور مقتضیات کو اچھی طرح سمجھ سکے اور زندگی کے مسائل پر ان کو منطبق کر سکے۔ نیز دوسرے اس کے اخذ و استنباط پر اعتماد کر سکیں۔

دوسری طرف یہ اس امر کا بھی مقتضی ہے کہ آدمی اصل قانون کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان و اعتقاد رکھتا ہو،

کیونکہ اس ایمان و اعتقاد کے بغیر اس کے اوپر یہ بھروسا مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ پوری وفاداری اور دیانت کے ساتھ اس اجتہاد کے فرض کو انجام دے گا۔

اب غور فرمایئے کہ جس کام میں فنی اور قانونی مہارت و قابلیت کی ضرورت ہے، اس میں ایک ایسے شخص کے دخل دینے کے کیا معنی جو نہ اصل قانون کی زبان اور اس کے قواعد سے واقف، نہ اس کے ماخذوں کے مراتب و مدارج سے واقف، نہ اس کی ترمیمات اور تبدیلیوں سے واقف؟ اگر اسلام اجتہاد کرنے سے کسی ایسے شخص کو روکے جو ان صفات کا حامل ہے تب تو یہ بات، بلاشبہ قابل اعتراض ہے، لیکن اس صورت میں یہ بات قابل اعتراض کس طرح ہو سکتی ہے، جبکہ اسلام ہر اس شخص کو اجتہاد کا حق دیتا ہے جو ان اوصاف کا حامل ہے، عام اس سے کہ وہ کوئی مرد ہے یا عورت، آزاد ہے یا غلام، عربی ہے یا عجمی۔ صرف ان کو اس چیز سے روکتا ہے جو ان صفات کے حامل نہیں ہیں، اگرچہ عام معنی میں وہ علما اور مولویوں ہی کے گروہ سے تعلق رکھنے والے کیوں نہ ہوں۔

اسی طرح جب اس کے لیے ایمان و اعتقاد کی شرط ہے تو آخر اس قانون میں ان لوگوں کے اجتہاد کے کیا معنی جو سرے سے اس کو خدائی قانون مانتے ہی نہیں۔ ایسے لوگوں پر یہ اعتماد کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی حرمت اس طرح ملحوظ رکھ سکتے ہیں، جس طرح خدائی قانون کی حرمت ملحوظ رکھنے کا حق ہے۔

اس قسم کی فنی اور قانونی قابلیت صرف اسلامی قانون ہی کی توضیح و تشریح میں ضروری نہیں سمجھی گئی ہے، بلکہ یہ کام دنیا کے ہر قانون میں قانون اور اس کی اصل زبان کے ماہرین ہی کرتے ہیں۔ انگریزی اور امریکی قانون کی توضیح و تشریح اور معاملات زندگی پر ان کی تطبیق آخر انگلستان اور امریکا کے علماے قانون ہی کرتے ہیں، ان ملکوں کے عام افراد تو اس کام کے اہل نہیں سمجھے جاتے، پھر اجتہاد کے لیے اگر اسلام نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کام کو اسلامی قانون کے ماہر علما ہی کریں تو اس پر لوگوں کو تعجب کیوں ہوتا ہے؟

اجتہاد ہی کی طرح اسلام میں اجماع کا معاملہ بھی ہے۔ جس طرح اجتہاد کا مفہوم عام معنی میں قانون سازی نہیں ہے، بلکہ اسلام کے اصل قانون کے اشارات و مقتضیات کی روشنی میں مسائل و احکام کا اخذ و استنباط ہے، اسی طرح اجماع کا مفہوم بھی مجرد مسلمانوں کا کسی امر پر متفق ہو جانا نہیں ہے، بلکہ کسی بات پر اس پہلو سے متفق ہو جانا ہے کہ یہی بات اسلامی قانون کے فحویٰ اور مقتضیٰ اور اس قانون کے امثال و نظائر کے مطابق ہے۔ اس موضوع پر اپنی کتاب ''اسلامی قانون کی تدوین'' میں تفصیل کے ساتھ میں نے یہ دکھایا ہے کہ اجماع درحقیقت اجتہاد ہی کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ ایک اجتہاد تو وہ ہوتا ہے جس کی حیثیت کسی مجتہد کی انفرادی رائے کی ہوتی ہے اور ایک اجتہاد وہ ہوتا

ہے جس پر وقت کے تمام مجتہدین متفق ہو جاتے ہیں۔ اس ثانی الذکر نوعیت کے اجتہاد کو اسلام کی قانونی اصطلاح میں اجماع کہتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جب اجماع کی بنیاد اجتہاد پر ہوئی تو اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ اس میں اصلی اعتبار مجتہدین اور ملت کے ارباب حل وعقد کا ہو، نہ کہ عوام کا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں عوام کی شرکت کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ وہ اجماع اسلام میں معتبر نہیں ہے جس سے مجتہدین، یعنی قانون اسلامی کے ماہرین الگ ہوں۔ اور غور کیجیے تو صاف واضح ہو جائے گا کہ جب اجماع کا مفہوم مجرد کسی امر پر جمہور کا اتفاق رائے نہیں ہے، بلکہ ایک اجتہاد پر اتفاق رائے ہے تو اس اتفاق رائے سے مجتہدین، علما اور ماہرین قرآن کے الگ کر لینے کے بعد اسلام کی نظر میں اس کی کیا قدر و قیمت باقی رہ جائے گی۔

اب رہا اس زمانہ میں مجتہد کے تصور کی عملی قدر و قیمت کا سوال تو اس کی قدر و قیمت کا انحصار اسلامی قانون کی قدر و قیمت پر ہے۔ دنیا کے جس خطہ کے مسلمان اسلامی قانون کی قدر و قیمت سمجھیں گے اور اس کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کریں گے، ان کے لیے مجتہدین کی ضرورت ان کی اجتماعی زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہو گی۔ جس طرح دنیا کے ہر نظام سیاسی میں ماہرین قانون، اس نظام سیاسی کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، بعینہٖ وہی حیثیت اسلام کے نظام سیاسی میں مجتہدین رکھتے ہیں۔ ہاں اگر اسلامی قانون کی محض زبان سے قصیدہ خوانی ہوتی رہی، عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق قائم نہ ہو سکا تو خدا اور رسول کے تصور کی بھی اس زمانہ میں کوئی عملی قدر و قیمت باقی نہیں رہ جاتی، مجتہد کے تصور کی عملی قدر و قیمت کا سوال تو بہت بعد کا سوال ہے۔

(تفہیم دین ۱۲۳-۱۲۵)

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.com

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

O

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خطرۂ افتاد ہو آتے ہیں پھر بھی بے درنگ
اپنے صحراؤں میں آہو، اپنے دریا میں نہنگ
پردگی ہاے تصور سے نہاں آئینہ رو
دیکھتا ہوں روبرو تو عقل رہ جاتی ہے دنگ
رنگ خوشبو کی طرح آوارۂ شوقِ طلب
اُس کی خوشبو رنگِ آوارہ کی صورت ہفت رنگ
نغمہ زن تارِ نفس پر انگلیوں کے رقص میں
زخمہ ور کے ہاتھ میں خاموش بھی، گویا بھی چنگ
اپنی بربادی پہ نازاں اِن کے سب پیر و جواں
ایک طرفہ خودکشی ہے اب مسلمانوں کی جنگ
ایک ہو کا منتظر ہے گنبد نیلوفری
ٹوٹ کر گرنے کو ہیں اِس کے پرانے خشت و سنگ

زہرہ و مریخ پر اتریں گے یورپ کے جہاز
دیکھنا ہفت آسماں تک ہم اڑائیں گے پتنگ

[۲/جون ۲۰۱۱ء]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com